خطبات مولینا احمد علی صاحب

امیر انجمن خدام الدین

شیرانوالہ گیٹ لاہور

-/1/8

از کتب علی ولد امام دین مالک کتاب پنڈ دادن

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

مولانا

خطبات

احمد علی صاحب

امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور

پبلشرز

منیجر مسلمان سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ
پنجاب

قیمت عہ

تقدمہ

اگرچہ خطبات کی کئی کتابیں ابتک شائع ہو چکی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی ایسی نہیں۔ جسے من کل الوجوہ مکمل کہا جا سکے۔ کسی میں تو قصص و حکایات پر زور دیا گیا ہے۔ اور کسی میں محض مسائل و احکام ہی کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اور کسی میں فضائل شہور و تہوار اسلامی ہی کا تذکرہ ہے اور اکثر کو تو موضوعات اور ضعیف روایات کا گہوارہ بنا دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ بعض کتابیں اچھی بھی ہیں۔ جو کتاب اور سنت کی روشنی میں لکھی گئی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ اب نہ صرف اُن کی زبان ہی متروک ہو چکی ہے۔ بلکہ ان کی اشاعت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اُن میں قال اللہ اور قال الرسول تو ہے۔ مگر ضروریات زمانہ اور حالات حاضرہ پر کوئی مقالہ نہیں ہے۔ نہ سیاسی اقتصادی اور تمدنی اصلاح کے متعلق کچھ مواد ملتا ہے۔ اس لئے ضرورت اور سخت ضرورت تھی۔ کہ خطبات کی ایک ایسی کتاب شائع کی جائے۔ جو توحید و سنت کی اشاعت کے ساتھ ہی ساتھ ضروریات زمانہ کو بھی پورا کر دے۔ اور مسلمانوں کو موجودہ مصائب

سے نجات دلانے کے وسائل و ذرائع پیش کرتی رہے۔
اس خیال کے پیش نظر ہم عرصہ دراز سے یہ سوچ رہے تھے۔ کہ کونسی صورت اختیار کی جائے۔ اور کیونکر ایسے خطبات مرتب کئے جائیں۔ بارہا اپنے خطبات اور تقاریر کو تحریری جامہ پہنانے کا خیال آیا۔ مگر قلتِ علم و عمل نے اس سے باز رکھا۔ اور بارہا دیگر مقتدر علمائے کرام سے تذکرہ ہوا۔ مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی امر مانع آتا رہا۔
اب اسے حسن اتفاق کہئے یا مسلمانوں کی خوش قسمتی کا پیش خیمہ۔ کہ یہ سہرا حضرت الحاج علامہ مولینا احمد علی صاحب مدظلہ امیر انجمن خدام الدین لاہور کے سر بندھا جا رہا ہے۔ جو نہ صرف علم و فضل ہی میں یگانۂ روزگار ہیں۔ بلکہ عمل اور تقویٰ کی رُو سے بھی اپنی نظیر آپ ہیں۔
حضرت مولینا احمد علی صاحب ہندوستان میں اب کسی مزید تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ قرآن فہمی اور قرآن دانی میں جو ملکہ قدرت نے آپ کو ودیعت کر رکھا ہے۔ اس پر آپ کے اساتذہ اور دارالعلوم دیوبند کو بھی بجا طور پر ناز ہے۔ کہ اُن کی وساطت سے ایک ایسا مرد مجاہد پیدا ہوا۔ جس کے درس قرآن نے ان

کے ناموں کو بھی زندہ کر دیا یہ ایک حقیقت ہے۔ جس میں قطعاً گوئی مبالغہ نہیں۔ کہ جب سے صاحب ممدوح نے لاہور میں "درس قرآن" کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ لاہور کی کایا پلٹ گئی ہے۔ اور لوگوں کی ذہنیتوں میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔

درس قرآن اور خطبات تو عام طور پر ہوتے رہتے ہیں، مگر جس ایثار۔ جس خلوص۔ جس ذوق و شوق۔ جس کیف و وارفتگی سے حضرت مولینا درس یا خطبہ دیتے ہیں۔ بہت کم خطیب یا مدرس ایسے ہوں گے۔ جو اس طرز پر کام کرتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قدرت نے ان کی زبان میں بھی خاص تاثیر عطا فرما دی ہے۔ کہ اچھے اچھے ادیب اور گریجویٹ بھی ان کی تقریر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے اور دُور دُور سے کھنچے چلے آتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم نے آپ کے خطبات جمعہ کو سب پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ اس امر کا تجربہ کر چکے ہیں۔ کہ بارہا کسی مدلّل مقفیٰ اور جچی تلی تقریر یا تحریر کے پڑھنے یا سُننے والوں پر وہ اثر نہیں ہوتا۔ جو ایک مردِ خدا کی زبان یا قلم سے نکلے ہوئے ٹوٹے

چھوٹے الفاظ اور غیر مربوط جملوں اور سادہ و سلیس عبارت
سے ہو جاتا ہے۔ پس اسی نقطہ نگاہ سے ہم نے حضرت
ممدوح کے خطبات جمعہ کو (جو آپ لاٹن والی مسجد لاہور
میں ہر جمعہ کو ارشاد فرماتے ہیں) جمع کرنے اور بالا ترتیب
نمبروار شائع کرنے کا اہتمام کر لیا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ
آپ نہ صرف ایک متبحر عالم دین ہی ہیں۔ بلکہ صاحبِ
دل۔ اہل باطن۔ مُحِبّ سنت۔ صوفیِ باعمل اور روحانی
مقتدا بھی ہیں۔ اس لئے جو اثر آپ کے خطبات
سے مترتب ہوگا۔ وہ اور خطبات سے نہیں ہو سکیگا
پس اب یہ آپ کا فرض ہے۔ کہ ان خطبات کو جس
نقطۂ نگاہ سے چاہیں دیکھیں پڑھیں۔ اور استفادہ کریں
اگر آپ تنہا ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو بھی مستفید
ہو سکتے ہیں۔ اور اپنی معلومات میں بیش بہا اضافہ کر سکتے
ہیں۔ اور اگر آپ بحیثیت خطیب انہیں استعمال کرنا
چاہیں۔ اور دوسروں کو سنا کر بھی فائدہ پہنچانا چاہیں۔
تو بھی ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آپ جس جمعہ پر جس
خطبہ کو چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ انتخاب آپ کے اختیار
میں ہے۔ ہم نے اس باب میں دوسروں کی تقلید ضروری
نہیں سمجھی کہ ہر ماہ کے حسب حال الگ الگ خطبے لکھے

جائیں ۔ اور پھر ہر سال انہیں کا دور چلتا رہے ۔ بلکہ ہم نے بلا ترتیب مختلف موضوعات و عنوانات پر ہر قسم کے خطبے جمع کر دیئے ہیں ۔ تاکہ پڑھنے والے ہر بار اپنے ذوق اور ضرورت کے مطابق انتخاب کر لیں ؛

نوٹ

بغرض اختصار آپ کے ہر خطبہ اور تقریر سے پہلے پہلے عربی خطبہ (مسنونہ) کو بھی حذف کر دیا گیا ہے تاکہ ہر بار تکرار اور طوالت نہ ہو ۔ خطبہ مسنونہ درج ذیل ہے ۔ ہر جمعہ پر یہاں سے پڑھ لیا جائے یا حفظ کر لیا جائے اور پھر تقریر شروع کی جائے ۔



خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَ
نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ
لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ
اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ
وَخَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ مُحْدَثَۃٍ
بِدْعَۃٌ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَکُلُّ ضَلَالَۃٍ
فِی النَّارِ۔

نوٹ :- اس خطبہ کے علاوہ اور خطبے بھی مروی ہیں مگر حضور اکثر یہی پڑھا کرتے تھے۔ پس آپ بھی یہی پڑھیں۔ ہاں گاہے بگاہے اور بھی پڑھ سکتے ہیں

عبدالمجید خادم سوہدروی

پہلا خطبہ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيْلِ ① أَلَمْ يَجْعَلْ
كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ② وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ ③
تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ④

ترجمہ:۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسے کیا۔ کیا ان کی تدبیر کو برباد نہیں کیا۔ اور اُن پر جھنڈ کے جھنڈ پرند بھیجے۔ جو اُن پر (پتھروں کی) کنکریاں پھینکتے تھے۔ سوا نہیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔

اشیاءِ مخلوقہ کے فرائض

اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء ارضی و سماوی کو معدوم سے موجود بنایا نیست سے ہست کا جامہ پہنایا۔ اور پیدا کرنے کے بعد ہر ایک پیدا شدہ چیز کا فرض منصبی معین فرمایا۔ چنانچہ اگر آپ غور فرمائیں گے۔ تو ہر ایک چیز کو اپنا فرض منصبی ادا کرتا ہُوا پائیں گے۔ آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھئے۔ سورج دن کے وقت جہان کو منور کر رہا ہے۔ تو چاند آفتاب کے روپوش ہونے کے

بعد اپنی فرحت بخش روشنی سے مخلوق خدا کی آنکھوں کو سرور اور دل کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ چونکہ ان دونوں میں کوئی بھی خالق اشیاء نہیں ہے۔ کہ جس طرح خالق اپنی مخلوق کی صفت ربوبیت سے ہروقت تربیت فرماتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہر وقت تمام مخلوقات کو اپنے اپنے انوار سے منور رکھیں۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک اپنا فرض بجا لاتا ہے۔ اور مخلوقات کو اپنے خدا کے بھروسہ پر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ خالق الخلق عزاسمہٗ وجل مجدہٗ نے اپنی مخلوقات کو روشنی پہنچانے کے لئے پھر ستارے پیدا کر دیئے ہیں۔ تاکہ ان دونوں کی غیر حاضری میں ستارے اپنے نور سے روشنی پہنچائیں۔ علےٰ ہذاالقیاس زمین کی چیزوں میں آپ غور کریں گے۔ تو آپ کو بھیڑ بکری گائے بھینس۔ گھوڑے گدھے اور اونٹ ہاتھی وغیرہ اشیاء کے علیحدہ علیحدہ فرائض نظر آئیں گے۔ یہاں تک کہ نباتات اور جمادات میں بھی تفکر اور تدبر کرنے سے ہر چیز کا فرض منصبی جداگانہ سمجھ میں آجائیگا۔

تحقیق فرض

انسان جو اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کا نائب خیال کرتا ہے۔ اور سارے جہان کی پیدائش کی اصلی غایت

فقط اپنی خدمت سمجھتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا سورۃ بقرہ (ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ وہ ہے جس نے جو کچھ بھی زمین میں ہے۔ وہ تمہارے ہی لئے پیدا کیا ہے۔) اور جب تمام جمادات۔ نباتات۔ حیوانات سے متمتع ہونا نفع اٹھانا اپنا حق خیال کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو زمین کی ساری کائنات میں سب سے اعلیٰ اور اشرف اور سب سے بڑا عقلمند ہوشیار۔ روشن خیال۔ عالی دماغ معاملہ فہم۔ مآل اندیش اور سب سے مدبر اور مفکر خیال کرتا ہے۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ اپنے فرض منصبی کی بھی تفتیش اور تحقیق کرے۔ اب اگر اس کے فرائض کو دیکھا جائے۔ تو انہیں مختلف عنوانوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا فرض کئی شعبوں میں تقسیم شدہ ہے۔ آج کی صحبت میں اس کی ذمہ واریوں میں سے سب سے بڑی۔ سب سے زیادہ ضروری۔ سب سے زیادہ اہم اور سب سے اعلیٰ ذمہ داری کا پیش کرنا مقصود ہے اور وہ ذمہ داری اور فرض اہم حفاظت شعائر اللہ تعالیٰ ہی ہے

شعار

شعار ہر قوم کی خصوصی علامت کو کہتے ہیں۔ مثلاً سناتن ہندوؤں میں سر پر چوٹی اور گلے میں جینو ہندو کا شعار

ہے۔ سکھ کا شعار کیس۔ کنگا۔ کڑا اور کاچھا ہے۔
مسلمان کا لباس میں شعار ترکی ٹوپی ہے۔

شعائر اللہ تعالےٰ

شعائر، شعار کی جمع ہے۔ اس دنیا میں چند چیزیں ایسی ہیں۔ جنہیں شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی نے اپنی تصنیف لطیف حجۃ اللہ البالغہ میں چار چیزوں کو شعائر اللہ قرار دیا ہے۔ یعنی جنہیں دیکھنے سے فوراً اللہ تعالےٰ کا تصور آ جاتا ہے۔ اور وہ (۱) کتاب اللہ (قرآن مجید) (۲) بیت اللہ (کعبہ مکرمہ) (۳) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) (۴) نماز ہیں پہلے تین شعائر کے تو نام ہی سے خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک کا تصور آ جاتا ہے۔ البتہ چوتھا شعائر تھوڑی سی توجہ کا محتاج ہے۔ ذرا سی توجہ کرنے سے آپ فوراً سمجھ جائیں گے۔ کہ وہ بھی شعائر اللہ میں داخل ہے۔ نمازی نماز شروع نماز کرنے وقت اللہ اکبر کہتا ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ کا نام نامی آ جاتا ہے۔ اس کے بعد سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ پڑھتا ہے۔
ترجمہ:۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ اور میں تیری ہی

تعریف کرتا ہوں۔ اور تیرا ہی نام برکت والا ہے۔ اور تیری شان بلند ہے۔ اور تیرے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے۔ ہر شخص سننے والا بھی سمجھ لے گا۔ اگر نمازی ہاتھ ہاتھ جوڑ کر اس خدا کے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ جس کی تعریف کر رہا ہے۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ شروع کرتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالےٰ ہی کی حمد و ثنا اور اسی کو معبود حقیقی سمجھنے اور فقط اسی کو اپنی حاجت روائی کا ذمہ دار بنانے اور اس سے راہ راست پر چلنے کی توفیق مانگنے وغیرہ کا ذکر ہے۔ نمازی کی ان معروضات سے ہر دیکھنے والا اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ یہ شخص اپنے خدا کے سامنے عرض معروض کرتا ہے۔ پھر رکوع میں جاتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر جانا اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ کہنا یعنے میرا رب عظمت والا ہے۔ ہر عیب سے پاک ہے۔ اور قومہ میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا اور پھر سجدہ میں جاتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنا یعنے میرا رب سب سے بلند و برتر اور ہر عیب سے پاک ہے۔) پھر سجدے سے اُٹھتے وقت اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا پھر دوسرے سجدہ میں جاتے

وقت اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہنا پھر دوسرے سجدہ میں سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی کہنا پھر دوسرے سجدہ سے اُٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا۔ علیٰ ہذا القیاس چاروں رکعتیں پڑھنا نماز کی اس بیان کردہ موجودہ صورت کو دیکھ کر ہر شخص یہ بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ یہ انسان اپنے خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرتا ہے اسی کے سامنے ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ اسی کے سامنے درخواست کر رہا ہے اور اسی کے سامنے سر جھکا رہا ہے۔ اور اسی کے سامنے سربسجود ہو رہا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالےٰ کے یہی چار شعار ہیں۔ جن کے نام اوپر ذکر ہوئے۔

مسلمان کا فرض

مسلمان کا فرض حفاظت شعائر اللہ تعالےٰ ہے۔ مذکورالصدر چار شعائر (کتاب اللہ۔ بیت اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور صلوٰۃ میں سے بیت اللہ العزیز تو ارض مقدس حجاز میں مرکوز اور محفوظ ہے۔ باقی تین شعائر اللہ ہمارے ہاں موجود ہیں۔ ان کی حفاظت اور نگہداشت ہمارا فرض اولین ہونا چاہئے۔ تلاش معاش میں مختلف وسائل سے کام لینا۔ کھانا پینا۔ پہننا۔ نکاح کرنا

بچے جننا۔ گھر بنانا۔ جائدادیں بنانا۔ وغیرہ وغیرہ سب کام تو غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔ دنیا میں رہ کر فقط اتنے کام کرنے سے آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ مسلمان جب اللہ تعالےٰ کا بندہ کہلاتا ہے۔ اس کی نعمتیں استعمال کرتا ہے۔ اس کی رضا کا تمغہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے مقربین کی فہرست میں شامل ہو کر جنت میں پہنچنا چاہتا ہے۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی محبوب اور پیاری چیزوں کی قدر کرے۔ اُن کی نگہداشت کرے۔ ان کے حفظ و بقا میں ہر ممکن کوشش کرے۔ خدا تعالےٰ کی ان مقدس امانتوں کی حفاظت میں مصائب بھی آئیں۔ تو برداشت کرے۔ قولہ تعالیٰ اَلٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ پ۲۰ ترجمہ: یہ لوگ کیا خیال کرتے ہیں کہ فقط اتنا کہنے پر کہ ہم مسلمان ہیں۔ چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اور ان سے امتحان نہیں لیا جائے گا۔ ہم نے پہلے لوگوں کی بھی آزمائش کی تھی۔ (اب بھی) البتہ ضرور سچوں اور جھوٹوں کو جدا کر کے چھوڑیں گے۔

شعائر اللہ کی حفاظت کا طریقہ

۱۔ کتاب اللہ

اوپر چار شعائر عرض کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے۔ کتاب کے معنی مکتوب ہے۔ یعنی کتاب اللہ کیا ہے۔ مکتوب اللہ تعالیٰ الی العباد ہے۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والا ہے، کتاب اللہ مکتوب ہے۔ اور بندے مکتوب الیہ ہیں، ہر شخص اس چیز کو بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر کسی دوست یا عزیز یا بزرگ یا حاکم کا مکتوب آئے۔ اور آدمی خود اس کی تحریر کو نہ سمجھ سکے۔ تو اس زبان کے جاننے والے کے پاس جاتا ہے۔ ان سے مطلب سمجھ کر جو فرمائش یا حکم ہو۔ اس کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اور یہی اس مکتوب کی عزت ہے۔ اور اگر اس مکتوب کو لے کر اتنا سن لے، کہ یہ فلاں استاد یا فلاں بزرگ کا خط ہے۔ سر آنکھوں پر رکھے۔ چھاتی سے لگائے۔ پیار اور محبت سے چومتا رہے۔ اور ریشمی غلاف میں لپیٹ کر کسی عزت کی جگہ پر رکھ دے، اور تحریر شدہ حکم کی تعمیل نہ کرے تو کیا وہ بزرگ یا استاد یا حاکم اس کے اس فعل پر خوش

ہو سکتا ہے ۔ اور کیا وہ اس شخص کو بے وقوف اور نادان دوست خیال نہیں کرے گا۔ بس اس خیال پر قیاس کر لیجئے ۔ کہ مسلمانوں میں کتنے آدمی ۔ ایسے ہیں جو مکتوب اللہ تعالےٰ (قرآن مجید) کی عزت اور قدر کرتے ہیں ۔ اور کتنے ہیں ۔ جو زبان سے تو عزت کرنے کا دعوےٰ کرتے ہیں ۔ اور نہ سمجھنے کے باعث اس کی توہین اور بے عزتی کرتے ہیں ۔ اگر آپ غور کریں گے ۔ تو مسلمانوں کی اکثریت آپ کو قرآن مجید کی عملاً بے عزتی کرنے والی نظر آئے گی ۔ مسلمانوں کی موجودہ ذلت، رسوائی تباہ حالی ، تنگدستی ، غرضیکہ تمدنی ۔ معاشرتی ۔ اخلاقی ۔ اقتصادی سیاسی تمام ذلتوں کا اصلی باعث قرآن حکیم سے اعراض اور رُو گردانی ہے ۔ اللہ تعالےٰ کا فرمان قرآن مجید میں موجود ہے ۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ترجمہ اگر تم ایمان دار رہے ۔ تو سب قوموں سے بلند و برتر رہو گے ۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں سچے ایماندار اور کھرے مسلمان ہوتے ۔ تو تمام قوموں سے ہر لحاظ سے یقیناً بلند و برتر ہوتے موجودہ وقت میں چونکہ ہم دوسری قوموں سے ہر لحاظ سے پست ہیں ۔ اس لئے صاف معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ہم قرآن مجید کی اصطلاح کے لحاظ سے اصلی مسلمان اور سچے ایماندار نہیں ہیں ۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ ۔

پُرزور دعویٰ

میں نہایت زوردار الفاظ میں یہ دعویٰ کرتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کی ہر مصیبت کا علاج قرآن حکیم میں موجود ہے۔ بشرطیکہ اس کی ہدایت پر عمل کریں مثلاً اگر کسی قصبہ یا شہر یا سارے پنجاب کے مسلمان اپنی اقتصادی بدحالی کو دور کرنا چاہیں ان کی خواہش ہو۔ کہ کوئی نام کا مسلمان بھی تنگدست۔ فاقہ مست۔ بھوکا۔ پیاسا اور ننگا نظر نہ آئے۔ تو کسی عالم قرآن سے اس اقتصادی بدحالی کا نسخہ تجویز کر کے اس پر عمل کر کے دیکھ لیں۔ اور اگر میری خدمت کی ضرورت ہو۔ تو بندہ وہ نسخہ عرض کرنے کے لئے ہر وقت حاضر ہے

غلط فہمی کا ازالہ

شاید اس موقعہ پر آپ یہ خیال کریں۔ کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کا علاج اتباع قرآن بتلایا جا رہا ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کئی غیر مسلم اقوام خوب خوشحال ہیں۔ اور وہ قرآن کی متبع کیا بلکہ مخالف اور بدترین دشمن ہیں۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے۔ کہ قرآن مجید کی تعلیم کے دو حصے ہیں۔ ایک وہ حصہ جس پر عمل کرنے سے دنیا میں عزت راحت و آرام اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ دوسرا وہ حصہ ہے
جس پر عمل کرنے سے آخرت کی راحت اور عذاب الٰہی
سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ جو قوم دونوں حصوں پر عمل
کرے گی۔ وہ دونوں جگہ راحت اور آرام سے رہے گی
جو دونوں حصوں پر عمل نہیں کرے گی۔ وہ دنیا میں ٹھوکریں
کھائیگی۔ اور آخرت میں جہنم رسید کی جائے گی۔ (اَللّٰھُمَّ
اَعِذْنَا مِنْہُ) اور جو قوم دنیا والے قوانین پر عمل کرے گی
اور آخرت والے حصہ پر عمل نہیں کرے گی۔ وہ دنیا
میں آرام و راحت پائے گی۔ آخرت میں جہنم رسید کی
جائے گی۔ اور جو قوم دنیا والے حصہ پر عمل نہیں کرے
گی۔ اور آخرت والے حصہ پر عمل کرے گی۔ وہ دنیا
میں ٹھوکریں کھائے گی اور آخرت میں نجات پائیگی۔
بفضلہ تعالےٰ ان احکام الٰہی کی تفصیل قرآن حکیم سے بتلائی
جا سکتی ہے۔ جس پر عمل کرنے والی غیر مسلم اقوام سرسبزو
شاداب ہیں۔ خواہ وہ احکام انہوں نے قرآن حکیم سے لئے
ہوں یا کسی اور بزرگ کی تعلیم سے۔ مگر مسلمان ان قوانین
آلٰہیہ پر عمل کرنے سے قاصر ہیں۔ ہاں اگر ان کا ایمان
سلامت رہا۔ اور احکام متعلقہ آخرۃ پر کچھ عمل کر گئے۔ تو
آخرۃ میں انشاءاللہ تعالےٰ نجات پائیں گے ؛

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ؐ

شعائر اللہ میں سے دوسرا شعار رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں۔ حضور انور فداہ ابی و امی کی عزت و احترام کرنا مسلمانوں کے فرائض میں سے ہے۔ سردار جہاں تو دنیا سے رو پوش ہو کر گنبد خضرا مین تشریف فرما ہو گئے ہیں اس لئے اب خاتم النبیین کی عزت اور احترام ان کی سنت پاک کے احیاء اور زندہ کرنے میں ہے۔ جو شخص شفیع المذنبین کی سنت اور طریقہ کو اپنے عمل سے زندہ کرتا ہے، وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے حفظ و بقا میں مصروف ہے۔ اور جو شخص آپ کی سنت کو نظر انداز کرتا ہے۔ اور اس کے باقی رہنے کی کوئی فکر نہیں کرتا بلکہ اس کی مخالفت میں ساعی اور کوشاں ہے، تو وہ گویا سردار دوجہاں کی زندگی خطرے میں ڈال رہا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ اَحْیَاءَ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحْیَانِیْ وَمَنْ اَحْیَانِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ :۔

ترجمہ:۔ جس نے میری سنت کو زندہ کیا۔ اُس نے مجھے زندہ کیا۔ وہ میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

الحاصل:

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے طریقے پر عمل کرنا

آپ کا احترام ہے۔ اور سنت کی مخالفت آپ کی توہین۔ اور بے عزتی ہے (اَللّٰهُمَّ اَعِذْنَا مِنْهُ وَجَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ) اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو عقلِ سلیم عطا فرمائے، تاکہ نادان دوستوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کا دعوےٰ کر کے آپ کی عملاً بے عزتی کے مرتکب نہ ہونے پائیں ؛

(ج) نماز

شعائر اللہ تعالےٰ میں سے چوتھا شعار نماز ہے۔ اس کی تعظیم یہ ہے، کہ پانچ وقت اُسے ادا کیا جائے۔ اور اس کی توہین اور بے عزتی یہ ہے، کہ اپنے ذمہ فرض مان کر پھر اس کے ادا کرنے سے مسلمان گھبرائے۔ اور نماز کے فوائد (تعلق باللہ کی درستی کے علاوہ اقتصادی معاشرتی اور سیاسی) سے اپنے آپ کو محروم بنائے اور اس کی پابندی کے وقت نتائج اُخروی عذاب الٰہی سے نجات وغیرہ اعزازات سے اپنے آپ کو محروم رکھے۔ اس بے نماز کی مثال اس مریض کی طرح ہے۔ جو علاج تو نہ کرے۔ مگر فوری شفا کا متمنی اور خواہشمند نظر آئے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ وَهُوَ الْمُوَافِقُ وَالْمُعِيْنُ۔

دوسرا خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی
اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ○
وَ اِذَا کَالُوْھُمْ اَوْ وَّزَنُوْھُمْ یُخْسِرُوْنَ ○ ترجمہ ہلاکت ہے گھٹانے والوں کی۔ وہ لوگ کہ جب ماپ کر لیویں۔ لوگوں سے تو پورا بھر لیویں۔ اور جب ماپ کر دیویں۔ ان کو یا تول کر تو گھٹا دیویں۔ برادرانِ اسلام۔ اور میری معزز بہنو! آج کی عرضداشت میں انسان کے ایک مہلک مرض کی۔ طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اور وہ مرض تطفیف ہے۔

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ روح اور جسم۔ دونوں کی صحت اور بیماری کے علیحدہ علیحدہ معیار اور جدا جدا اسباب ہیں۔ مرض تطفیف انسان کی روحانی بیماریوں میں ایک مہلک ترین بیماری ہے۔ جس کا سمجھ لینا اور اس کے بعد اس سے بچنا ہمارا فرض ہے۔

آیات مذکور الصدر کی تفسیر

قرآن مجید انسان کے ہر شعبے حیات میں راہ نما ہے۔ وہ جس طرح علماء کرام کے لئے جواہرات علمیہ کے بیش بہا

خزانے اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی طرح صوفیاء کرام کے لئے طریقت و حقیقت کے اس بحر بے پایاں اور دریائے ناپیدا کنار کا وہ جلوہ اپنے آغوش میں رکھتا ہے جس کے دیکھنے والا از سر تا پار محو حیرت ہو کر عالم بیخودی میں بیخود ہو جائے۔ اور شراب وحدت کے نشہ میں مخمور ہو کر "اناالحق" کا نعرہ لگائے۔ قرآن مجید جس طرح ان علمبرداران علوم ظاہر و باطن کا راہ نما ہے۔ بعینہ اسی طرح ایک مزارع بڑھئی۔ لوہار۔ اور تاجر کے لئے بھی ہادی اور راہنما ہے۔ اگر یہ لوگ قرآن پاک کے ارشاد کردہ اصول پر عمل پیرا ہوں۔ تو انشاءاللہ تعالےٰ کبھی گمراہ نہ ہوں۔ ان کے گھروں میں کبھی افلاس و ناداری دیکھی نہ جائے۔ سدا خوشحال نظر آئیں۔ کسی کے سامنے قرض کے لئے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ اور اپنے کاروبار میں برکت پائیں۔۔۔۔۔ روز افزوں ترقی کرتے جائیں۔ دنیا میں عزت۔ برکت راحت سے مالا مال نظر آئیں۔ اور آخرت میں اپنی صداقت اور دیانتداری کے باعث عذاب الٰہی سے بچ جائیں۔ اور جنت الفردوس میں بفضل خداوندی داخلہ کے مستحق نظر آئیں۔

تاجر کی تطفیف

آیات مذکورۃ الصدر میں تاجر کے مرض تطفیف کی کیفیت اور اس کے نتائج مہلکہ کی اطلاع دی گئی ہے۔ تاجر کی تطفیف یہ ہے۔ کہ وہ لوگوں سے اپنا حق پورا لے اور جب لوگوں کو ماپ یا تول کر دے۔ تو کم دے۔ مثلاً اناج کی منڈی میں ایک تاجر ارزاں قیمت کے گیہوں کی پانچ بوریاں انڈیل دیتا ہے۔ گاہک جب مال دیکھتا ہے۔ تو تو اس کے ہاتھ میں عمدہ گیہوں آتی ہے۔ اُسے پسند کر کے اُس کے نرخ کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ مگر جب تاجر تولنا شروع کرتا ہے۔ تو اناج کی ڈھیری کو نیچے سے تولنا شروع کرتا ہے۔ جس میں زیادہ ارزاں قیمت والی گیہوں جاتی ہے ایسے تاجر کے لئے دوزخ کی سزا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس انجان گاہک کو کپڑے کا نمونہ اور دکھاتا ہے۔ اور اس کا نرخ طے ہو جانے کے بعد اس سے ادنےٰ درجے کا کپڑا دیتا ہے۔ ایسے بزاز کے لئے بھی دوزخ مقرر ہے اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْہُ وَجَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ آمین ثم آمین۔

تطفیف کی تعمیم

تطفیف کے معنی میں ذرا سا غور کیا جائے۔ تو بآسانی انسان اس چیز کو سمجھ سکتا ہے۔ کہ تاجر ہم اپنا حق پورا

لیتا ہے۔ اور دوسروں کا حق ادا کرنے میں حق تلفی کرتا ہے۔ جب تاجر کے اس فعل مذموم کی اصلی علت یہ قرار پائی۔ تو پھر بآسانی یہ نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کہ وہ شخص جس کے اندر یہ برائی پائی جائے (کہ اپنا حق پورا لے۔ اور دوسرے کا حق ادا کرنے میں حق تلفی کرے۔) وہ اسی وعید کا مستحق ہونا چاہیئے۔ چنانچہ تطفیف کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ میرے بھائی ہوش سے کام لیں۔ اور حیات مستعار کے لمحے غفلت سے گذار کر جہنم کا ایندھن نہ بننے پائیں۔

حق عبدیت میں تطفیف

اس مضمون کے ذہن نشین کرنے سے پہلے بعض ضروری چیزیں عرض کی جاتی ہیں۔ تاکہ پھر انسان بآسانی اپنے عیب کو سمجھ سکے۔

بے شمار احسانات

انسان پر اللہ تعالے کے اس قدر احسانات ہیں۔ کہ اگر گننے بیٹھے تو شمار نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ ترجمہ:۔ اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو۔ تو انہیں گن نہ سکو۔ اور اس کے احسانات ہم پر اُس وقت سے ہو رہے ہیں۔ جب کہ

بصورت انسان ہمارا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں اپنی قدرت کاملہ سے اناج۔سبزی۔ترکاری۔پھل کی صورت میں لایا۔ اور ان چیزوں کو ہمارے ماں باپ کے پیٹ میں ڈال کر ہمارا بیج اُن سے بنایا۔ اس بیج کو ماں کے رحم میں رکھ کر اپنی قدرت سے چار ماہ کے اندر انسان کا ڈھانچہ مکمل فرمایا۔ ڈھانچے کی تکمیل کے بعد آسمان سے روح لا کر ڈالی۔ روح ڈالنے کے بعد پانچ ماہ اور چند دن ماں کے رحم میں رکھا۔ اور وہی حسب حال غذا پہنچائی۔ نو مہینے دس دن کے بعد ماں کے پیٹ سے محض اپنی قدرت کاملہ سے باہر لایا۔ اور باہر لانے کے بعد ماں کی چھاتی سے دُودھ پلایا۔ پھر جوں جوں انسان بڑا ہوتا گیا۔ اور اس کی ضروریات بڑھتی گئیں۔ ہر موقعہ پر ہر ضرورت کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا سامان مہیا فرمایا۔

احسانات کی موسلادھار بارش

اگر غور کیا جائے۔ تو اللہ تعالےٰ کے احسانات کی ہر وقت انسان پر موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان کی اپنی ذاتی کوئی چیز نہیں ہے۔ نہ اس کا وجود اپنا ہے۔ نہ وجود کے اجزا اور اس کے

حواس اپنے ہیں۔ انسان کا وجود اس کے موجود ہونے سے نظر آتا ہے۔ کہ اللہ تعالٰے کی صفت وجود کا عکس اور پرتو ہر آن اس پر پڑھ رہا ہے۔ اور اس عکس کی آمد کی مثال ایسی ہے۔ جیسے شعلہ جوالہ۔ دراصل رسی کے ایک سرے پر آگ کا ایک نقطہ سا ہے۔ لیکن رسی کو جب تیز حرکت دی جائے۔ تو آگ کا ایک گول سا دائرہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر ایک سیکنڈ کے لئے حرکت دہندہ اپنے ہاتھ کو روک لے۔ تو وہ دائرہ فوراً کم ہو جائے۔ بعینہٖ اسی طرح اگر ایک لحظہ کے لئے انسان کیا۔ بلکہ سارے جہان سے اللہ تعالٰے اپنی صفت وجود کا تعلق اور اتصال توڑ دے۔ تو سارا جہان معدوم ہو جائے۔ علی ہذالقیاس سمع۔ بصر۔ کلام۔ حیات۔ قدرت۔ ارادہ۔ علم۔ یہ سب صفتیں اصل میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں سے ہیں۔ انسان ہوں یا حیوان۔ حیوانات سے پرند ہوں۔ یا چرند۔ بری ہوں یا بحری ان سب میں ان صفات کا پایا جانا بعینہٖ اسی طرح ہے۔ جس طرح اوپر والی تقریر میں صفت وجود کا پایا جانا عرض کر چکا ہوں سمع۔ بصر۔ قدرت۔ ارادہ وغیرہ چیزوں میں انسان کے

وجود کا رابطہ اللہ تعالےٰ سے قائم ہے۔ اس لئے ادھر سے ان تجلیات کا اثر ہر آن ہر لحظہ مسلسل آرہا ہے ایک لحظہ کے لئے ان صفات سے قطع تعلق کر کے دیکھئے۔ نہ کسی کی سمع رہے گی اور نہ بصر نہ کلام رہیگی اور نہ علم بلکہ سب جاندار آن واحد میں بہرے۔ اندھے اور گونگے ہو جائینگے۔ جس طرح ایک برقی کارخانہ کی برقی قوت سے لاکھوں لیمپ کسی شہر میں روشن ہوں ہزاروں مکانوں میں پنکھے ہوا دے رہے ہوں سیکڑوں کارخانوں میں مشینیں چل رہی ہوں۔ جن میں لاکھوں مزدور اپنی مزدوری کا سامان فراہم کر رہے ہوں۔ اور بیسیوں ٹرموے کی گاڑیاں اس شہر میں دوڑ دھوپ کر رہی ہوں۔ مگر جب ایک منٹ کے لئے برقی کارخانہ کو بند کر دیا جائے۔ تو اس شہر کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ لیمپ سب بجھ جائیں گے۔ پنکھے بند ہو جائیں گے۔ مشینیں سب رک جائیں گی۔ ٹرموے کی گاڑیاں کھڑی ہو جائیں گی۔ اس مضمون کی تفہیم کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ: ترجمہ :۔ وہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر امر کی تدبیر کرتا ہے۔

الحاصل

حاصل یہ ہے کہ ہر آن اور ہر لحظہ انسان پر خداتعالیٰ کی نعمتوں کی ایک موسلا دھار بارش ہو رہی ہے کیونکہ تحریر سابق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ انسان کے وجود میں اس کی اپنی کوئی چیز نہیں ہر بلکہ ہر آن ہر چیز پر صفات الٰہیہ کا عکس موسلا دھار بارش یا برقی رَو کی طرح آ رہا ہے۔

فریضۂ انسان

اب انسان کا فرض ہے۔ کہ اپنے منعم حقیقی کی نعمتوں کا شکریہ دن رات کی ہر گھڑی اور ہر لحظہ اور ہر آن میں بجا لائے۔ اور پھر بھی اپنے آپ کو قصوروار خیال کرے کہ اس کی نعمتوں کا کا حقہ شکر ادا نہیں کر سکا۔ کیونکہ یہ ایک نعمت کا خیال کر کے زبان سے ایک دفعہ الحمدللہ کہے گا۔ حالانکہ ایک ہی وقت میں اس پر ہزاروں نعمتوں کا فیضان ہو رہا ہوگا۔ بالآخر اسے اقرار کرنا پڑے گا۔

رَبَّنَا مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا اَطَعْنَا حَقَّ اَطَاعَتِكَ

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہم تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے اور ہم تیری فرمانبرداری کا حق ادا نہیں کر سکے۔

معاملہ الٰہی میں تطفیف

اب بجائے اس کے کہ انسان ہر آن اور ہر لحظہ شکر خداوندی بجا لائے۔ چند منٹ بھی چوبیس گھنٹہ میں سے یاد الٰہی پر صرف کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ ارحم الرحمین عز اسمہ وجل مجدہ نے چوبیس گھنٹہ میں اس پر سترہ رکعتیں پانچ وقتوں کی نمازوں میں فرض کی ہیں۔ اور ایک رکعت بآسانی ایک شخص ایک منٹ میں ادا کر سکتا ہے۔ اس لحاظ سے چوبیس گھنٹہ میں سترہ منٹ اگر یہ اللہ تعالٰے کے دروازہ پر آکر اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرکے بقیہ کے متعلق معافی کی درخواست کر جائے۔ تو اللہ تعالٰے اسے اپنا مخلص اور فرمانبردار بندہ سمجھنے کے لئے آمادہ ہیں۔ لیکن انسان عام طور پر ایسا احسان فراموش واقع ہوا ہے۔ کہ خدا تعالٰی کے اسباب ربوبیت غیر متناہیہ جو زمین و آسمان میں کار فرما ہیں۔ ان سے فائدہ تو اٹھاتا ہے۔ لیکن اس کا شکر بجا لانے سے جی چراتا ہے۔ اور اپنے آپ کو عذاب الٰہی کے لئے خود ہی پیش کرنا چاہتا ہے۔ قولہ تعالٰے۔

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۖ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ

الْاَرْضَ ج وَمِنْهُمْ مَنْ اَغْرَقْنَا ج وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (سورہ عنکبوت رکوع ۴۔ پارہ نمبر ۲۰) ترجمہ۔ پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا۔ سو اُن میں بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی۔ اور اُن میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آ دبایا اور اُن میں بعضوں کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔ اور اُن میں بعض کو ہم نے پانی میں ڈبو دیا۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا۔ لیکن یہی لوگ (شرارتیں کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

استثناء

ہاں اللہ تعالےٰ کے بعض بندے سطح دنیا پر ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ اور آج بھی سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں ایسے موجود ہیں۔ جو خدائے تعالیٰ کی بندگی کا بقدر وسعت خوب حق بجا لاتے ہیں۔ ہر وقت ذکر الٰہی میں شاغل اور عذاب الٰہی سے خائف نظر آتے ہیں۔ انہیں مقدس ور برگزیدہ ہستیوں کے اوصاف حمیدہ سے بھی۔ مشت نمونہ از خروارے ذکر کیا جاتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ آمِيْنَ يَآ اِلٰهَ الْعَالَمِيْنَ ○

(۱) اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ (الآیۃ آل عمران رکوع ۲۰) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں۔ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی لیٹے بھی۔

(۲) وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّہِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (فرقان۔ رکوع ۶) اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (نماز) میں لگے رہتے ہیں۔

(۳) وَالَّذِیْنَ لَایَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ (فرقان۔ رکوع ۶) اور جو کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے۔

(۴) وَالَّذِیْنَ لَایَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا (فرقان رکوع ۶) اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے۔ اور اگر (اتفاقاً) بیہودہ مشغلوں کے پاس سے ہو کر گذریں تو سنجیدگی کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں تطفیف

حضور انور فداہ ابی و امی، کی اطاعت اور تابعداری ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں بار بار کہا گیا ہے۔ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اللہ تعالےٰ کی اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرو۔ اور اس کا حکم مانو۔ پھر یہ بھی کہا۔ جس نے رسول کا حکم مانا

اُس نے گویا اللہ کا حکم مانا۔ اور جس نے رسُول اللہ سے انکار کیا۔ اس نے اللہ سے بھی انکار کیا۔ اب دیکھو کتنے لوگ ہیں۔ جو رسول کو مانتے ہیں۔ اور اس کی رسالت کا بھی اقرار کرتے ہیں۔ مگر اس کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔ جانتے ہیں۔ کہ اس معاملہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے۔ حضور کا فرمان یہ ہے۔ مگر اسے تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس باب میں دستور یہ تھا۔ مگر ذاتی اغراض اور نفسانی خواہش کی بنا پر اس کے خلاف چلتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سنت طریق یہی ہے۔ اور اسی کا ہمیں سبق دیا گیا ہے۔ مگر وہ بعض مصلحتوں کی بنا پر اس کی پابندی نہیں کرتے۔ تو یہ رسول اللہ کے معاملہ میں تطفیف ہے۔ خدا تعالےٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس تطفیف کو سمجھیں۔ اور تمام معاملوں میں خواہ وہ خالق سے متعلق ہوں یا مخلوق سے وہ حقوق الہٰی سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد سے۔ ہم اُن سب کو پورے پورے طور پر ادا کرنے کے اہل ثابت ہوں۔ اور کسی معاملہ میں بھی تطفیف کے جرم کا ارتکاب نہ کرنے پائیں۔

تیسرا خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (سورہ یونس۔ رکوع ۷)

ترجمہ:۔ خبردار اللہ تعالےٰ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ اولیاء جمع ولی کی ہے اور ولی کا مصدر ولایت ہے۔ ولایت کے معنی دوستی رکھنا ولی کے معنی۔ دوست۔ موجودہ مسلمانوں کے عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اولیاء اللہ کو عنقا کی طرح خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ کسی زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ اور اب نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ جب ان کو اولیاء اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو بجائے اس کے کہ خدا تعالےٰ کے زندہ بندوں میں سے کسی ولی کو تلاش کریں۔ اور اپنی مقصد برآری کے لئے اُن کی طرف رجوع کریں۔ یہ ان اولیاء اللہ کی قبروں سے رجوع کرتے ہیں۔ جو آج سے صدیوں پہلے گذر چکے ہیں۔ انہی کی قبروں پر جاتے ہیں۔ اپنی حاجت روائی کے لئے انہی سے استدعا کرتے ہیں

اپنی مراد پوری ہونے پر انہی کے حضور میں ہدیہ پیش کرنے ، وعدے کر آتے ہیں۔ لہٰذا ان کے اس عمل سے ثابت ہوتا ہے، کہ اولیا کرام کا وجود پہلے پایا جاتا تھا۔ لیکن آج کل دنیا سے معدوم ہے

ہر شخص کے ولی ہونیکا دعویٰ

حالانکہ میرے وہ احباب کرام جو میری نظر کے سامنے اس مسجد میں موجود ہیں۔ یا وہ مسلمان جو میری نظر سے مستور ہیں۔ کسی سے بھی سوال کیا جائے۔ کہ آپ خدا کے دوست ہیں یا دشمن؟ تو ہر ایک شخص ناممکن ہے، کہ خدا کی دشمنی کا اقرار کرے۔ بلکہ خدا کی دوستی ہی کا دعویٰ کرے گا۔ اور اس دعویٰ پر اُسے اصرار ہوگا۔ کہ مجھے خدا کے دوستوں کی فہرست میں شامل سمجھا جائے۔ اور دشمنانِ خدا کی فہرست میں ہرگز شامل نہ کیا جائے۔ خدا کی دوستی کا دعویٰ کرنا بھی ولایت ہے اور ہر دعویٰ کنندہ ولی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا، کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو ولی من اولیاء اللہ سمجھتا ہے۔ اور خدا کے دوستوں میں ایک دوست ہونے کا مدعی ہے۔ لہٰذا مسلمان کا فرض ہے، کہ جب وہ اپنے آپ کو اپنے عقیدے کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں داخل سمجھتا ہے۔ تو اولیا کرام

کی وہ شرائط جو خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمائی ہیں۔ ان کی تکمیل کرے ورنہ دعویٰ بے دلیل ہو گا۔ اور محض کسی چیز کے دعویٰ کرنے پر جب تک اس کا ثبوت نہ بہم پہنچایا جائے مدعی کا دعویٰ بیکار ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰے صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَمْوَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَّنْظُرُ اِلٰے قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا۔ اور نہ تمہاری دولتوں کو دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ تمہارے دلوں کی حالت اور اعمال کو جانچتا ہے

اس ارشاد واجب الاعتقاد سے صاف طور پر معلوم ہوا۔ کہ فقط زبانی جمع خرچ کرنے سے جب تک اس کی تائید عمل سے نہ ہونے پائے۔ اللہ کے ہاں کسی دعویٰ کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے لہذا اے برادران اسلام اور میری معزز بہنو! ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم خدا تعالیٰ کی دوستی کے دعویٰ کو ان شرائط عملیہ سے ثابت کر دکھائیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں۔

شرائط ولایت

اللہ تعالےٰ نے اس پہلی آیت کے متصل دوسری آیت میں اولیا کرام کی دو صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ ہر مدعی ولایت میں ان دو صفتوں کا پایا جانا ضروری ہے پہلی صفت ایمان ہے۔ اور دوسری صفت تقویٰ ہے۔

تفسیر ایمان

حدیث شریف میں سردار دو جہاں فخر الانبیا۔ سید المرسلین خاتم النبیین۔ شفیع المذنبین محمد الرسول اللہ صلعم نے تین چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ جن کا پایا جانا ہر مدعی اسلام میں ضروری ہے۔ پہلی چیز ایمان۔ دوسری چیز اسلام اور تیسری چیز احسان ہے۔ میرے معزز بھائیو! ایمان فعل قلب کا نام ہے۔ اور اسلام جوارح یعنی اعضاء جسمانی سے عمل کا نام ہے۔ چنانچہ اس کی تائید میں ایک آیت پیش کرتا ہوں۔ امید ہے۔ کہ آپ اس آیت پر غور کرنے سے بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔ کہ ایمان اور چیز ہے۔ اسلام اور چیز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَقَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ :۔ ترجمہ گنوار آکر یہ کہتے ہیں۔ کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے فرما

دیکھئے۔ ابھی تک تم ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یہ کہو۔ کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ انتہیٰ۔ پس اب تو دونوں چیزیں واضح ہو گئیں۔ کہ ایمان فعل قلب ہے۔ اور اسلام ظاہری اعضاء کے افعال کا نام ہے۔ قابل غور چیز یہ ہے۔ کہ آخر وہ اسلام کے جن احکام کو بجا لاتے ہیں۔ وہ ارادہ قلبی ہی سے بجا لاتے ہیں۔ اور ارادہ قلبی کے ہونے کے باوجود اللہ تعالےٰ ان کے ایمان کی نفی فرماتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے ارادہ قلبی میں کوئی نقص باقی ہے۔ جس نقص کی تکمیل کئے بغیر اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں انہیں مومن نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا میرے خیال میں ان کے اس ارادۂ قلبی میں ہی نقص موجود ہے۔ کہ وہ اگرچہ بعض احکام الٰہی پر حصول رضا الٰہی کی خاطر بصدق دل عمل بھی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے جمیع احکام نازل شدہ کو بلا چون و چرا اور بلا کم و کاست عمل میں لانے کے لئے پختہ ارادہ نہیں رکھتے۔ لہٰذا یہ چیز صاف ہو گئی۔ کہ ایمان سے مراد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے ہر حکم کی تعمیل کا دل میں پختہ ارادہ کرنا۔ اسی چیز کا نام ایمان ہے۔

اور جب تک ہر حکم کی تعمیل کا پختہ ارادہ نہ ہو۔ اس وقت تک اس شخص کو مومن کامل نہیں کہا جا سکتا اور ایسا ایمان جس میں بعض احکام الٰہی کی تعمیل کا ارادہ ہو۔ اور بعض کی تعمیل سے انکار ہو۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ہرگز منظور نہیں ہوتا۔ جس طرح منطقی کہا کرتے ہیں۔ کہ نتیجہ جس ارذل کے تابع ہوتا ہے یعنی اگر دو چیزیں آپس میں ملادی جائیں تو جو چیز گھٹیا اور ذلیل ہے۔ دونوں کے مخلوط ہونے کے بعد اس چیز کا نام وہ گھٹیا چیز ہی رکھا جائے گا۔ مثلاً پانی کے پاک گھڑے میں اگر ایک تولہ پیشاب کا پڑ جائے۔ تو اس کو پلید ہی کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر ایمان اور کفر دل میں دونوں مل جائیں۔ تو اس شخص کو مومن نہیں بلکہ کفر ہی کی طرف منسوب کیا جائیگا۔ چنانچہ اس مضمون کی شہادت خلیفہ راشد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا وہ مشہور عالم واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم کے انتقال پُر ملال کے بعد مسلمانوں کی بعض جماعتوں نے فقط زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ باقی تمام احکام قرآنی کو سر آنکھوں پر رکھنے کا وعدہ کر رہے تھے۔ زکوٰۃ کا انکار قرآن مجید کے ایک

چھوٹے سے فقرے وآتوالزکوٰۃ کا انکار تھا - تو قرآنِ مجید کے تیس پاروں کے اقرار میں سے فقط ایک چھوٹے سے چھوٹے فقرے وآتوالزکوٰۃ کے انکار کرنے سے بھی ان کو مرتد - دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا - اور ان کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ نے جہاد کیا - لہٰذا یہ ثابت ہو گیا - کہ خلافت راشدہ کے مبارک دور میں ایمان کے یہی معنی سمجھے جاتے تھے - جو اوپر بیان کئے گئے ہیں کہ بلا کم وکاست تمام احکام الٰہی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرنے کا نام ایمان ہے -

برادرانِ اسلام ! اسلام کی حقانیت کو فقط دل سی سچا جان لینا ایمان کے لئے کافی نہیں ہے - بلکہ دل سے سچا جان کر احکام الٰہی کا دل سے ارادہ کرنا بھی ایمان کی لازمی جزو سمجھی جاتی ہے - بلکہ اگر مجھ سے اُردو میں اس کے معنی دریافت کرنا چاہیں - تو عرض کروں گا - ایمان لانا - اس کے معنی ہیں ماننا - یہ الگ چیز ہے - کہ ایک شخص دل سے ماننے اور اس کی تعمیل کا ارادہ کرنے کے بعد بعض موانع کے باعث عملی جامہ اسے نہ پہنا سکے - مثلاً اپنی سستی یا خطا یا نسیان کے باعث عمل میں قصوروار نظر آئے - تو اس پختہ

ارادہ تعمیل کی بنا پر اُسے مومن کہا جائیگا۔ البتہ مومن مسلم نہیں۔ بلکہ مومن فاسق کے نام سے تعبیر کیا جائیگا۔ یعنی احکام الٰہی کی تعمیل کرنے کے لئے اس کا ارادہ تو تھا۔ لیکن بعض مجبوریوں کے باعث عمل کرنے سے قاصر رہا۔ لہذا دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ اور آپ کو ایمان کامل عطا فرمائے۔ اور ہمیں یہ پختہ ارادہ نصیب ہو۔ اے اللہ تیرے ہر حکم کی تعمیل کے لئے صدق دل سے تیار اور حاضر رہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس قلبی ارادے میں مضبوط رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اگر اس قلبی ارادے میں کسی حکم الٰہی کے متعلق بھی انکار کا پہلو نکل آیا۔ تو ایمان میں کفر داخل ہو جائیگا۔ اور مانعین زکوٰۃ کی طرح ایک چھوٹے سے فقرہ قرآن مجید کا انکار بھی ہمارے کفر کی شہادت ہو گی۔ اور پھر ہم ابدی جہنم کے وعید کے مستحق ہو جائیں گے۔ اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْهُ وَجَمِیْعُ الْمُسْلِمِیْنَ ٥

ایمان میں کفر کی ملاوٹ

مبلغ اسلام ایک معالج روحانی ہے۔ بشرطیکہ اس کے داہنے ہاتھ میں مشعل قرآن اور بائیں ہاتھ میں

مشعل احادیث خیرالانام علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہو۔
کتاب وسنت کی ان دو مشعلوں کی روشنی میں خلقِ خدا
کی رہنمائی فرمائے۔ تو وہ اسی صورت میں امت نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہادی اور راہنما سمجھا جا سکتا ہے۔
یا مبلّغ اسلام کی مثال ایک طبیب کی سی ہے جس طرح
طبیب ظاہری جسمانی بیماریوں کی تشخیص کرتا ہے۔ اور
مریض کو اس کے عیوب تبلاتا ہے۔ اور ان عیوب کے
اسباب اُسے سمجھاتا ہے۔ تاکہ وہ ان اسباب سے باز
آئے۔ اور بیماری بڑھنے نہ پائے۔ اور اس طبیب کے
علاج سے وہ مریض شفا پائے۔ اسی طرح ہر مبلّغ اسلام
کا فرض ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کی روحانی صحت کی نبض
دیکھے۔ تشخیص مرض کرے۔ اور اس روحانی مرض کے
اسباب پر انہیں آگاہ کرے۔ اور اس روحانی بیماری سے
شفا پانے کا نسخہ تجویز کرکے ان کے سامنے پیش کرے
لہٰذا اے میرے معزز بھائیو! میں مسلمانانِ پنجاب کی
کئی قوموں میں ایک حکم الٰہی سے صریح انکار دیکھ رہا
ہوں۔ جسے شریعت اسلام میں کفر کے نام سے تعبیر کیا جاتا
ہے۔ میرا فرض ہے۔ کہ میں اس کفر پہ توجہ دلاؤں۔ اس
کے نتائج مہلکہ ان کے سامنے لاؤں تاکہ یہ اس کفر سے

بچ کر اپنی عاقبت کو درست کریں - اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پائیں۔

قرآن سے رُوگردانی

جس طرح نماز اور زکوٰۃ کو قرآن مجید میں فرض قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح تقسیم میراث کو بھی فرض ٹھہرایا گیا ہے۔ جس طرح پر نماز اور زکوٰۃ کا تارک فاسق ہے اور منکر کافر ہے۔ بعینہٖ اسی طرح پر مال میراث کو شریعت اسلامی کے مطابق تقسیم نہ کرنیوالا (اور دل میں اُسے صحیح تسلیم کرنے والا) فاسق ہے۔ اور شریعت کے مطابق تقسیم مال میراث سے انکار کرنے والا کافر ہوگا۔ چنانچہ مسلمانان پنجاب میں سے زراعت پیشہ قوموں نے گورنمنٹ ہند کو یہ لکھ کر دیا ہوا ہے۔ کہ ہم تقسیم میراث میں شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے پابند نہیں ہیں۔ بلکہ رواج کے پابند ہیں۔ اور اگر کبھی فریق مخالف اپنا حق لینے کے لئے عدالت میں دعویٰ دائر کرے۔ تو رواج کی آڑ لے کر شریعت کا صاف انکار کر جاتے ہیں۔ پس اسی کا نام کفر صریح ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ

ممکن ہے۔ کہ شریعت پر رواج کو ترجیح دینے والے

اپنے اس جرم کو جہالت کی بنا پر معمولی اور حقیر خیال کریں۔ اور وہ یہ سمجھتے ہوں۔ کہ ہم اس انکار کے بعد بھی مسلمان ہیں۔ اور رسول اللہ کے متبعین میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ شریعت کے کسی حکم سے انکار کرنے والا مسلمان مرتد کہلائیگا۔ اور ارتداد کے سارے احکام کا نفاذ اس پر ہو سکتا ہے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اس غلط فہمی سے بچائے کہ وہ دنیا کی خاطر دین کو بیچنے نہ پائیں۔ آمین ؛

ولایت کی شرط دوم

خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کے اولیا کرام میں شامل ہونے کی پہلی شرط ایمان تھی۔ جس کے متعلق کافی تفصیل عرض کی جاچکی ہے۔ اس تھوڑے سے وقت میں شرط ثانی یعنی تقویٰ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تقویٰ کے ثلاثی مجرد کی مصدر الوقیٰ والوقایۃ نگاہ داشتن سے ہے۔ نگاہ داشتن کے معنی اپنے آپ کو بچانا اور محفوظ رکھنا ہے۔ تقویٰ کے شرعی معنی میں اپنے آپ کو ہر اس چیز سے بچانا مقصود ہے جو انسان کے تعلق باللہ میں خلل انداز ہو۔ لہذا ہر مسلمان جو صدق دل سے اولیاء اللہ کی فہرست میں شامل ہونا

چاہیے۔ اس کا فرض ہے۔ کہ تمام ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ جن سے تعلق باللہ میں خلل آئے۔

مثلاً

اعتقادات میں شرک و کفر سے۔ عبادات میں ترک صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج سے، معاملات میں غیروں کو نقصان پہنچانے سے، معاشرت میں خلق اللہ کے حقوق کی حق تلفی سے، تمدن میں مشابہت کفار سے، اقتصادیات میں اسراف و تبذیر یعنی فضول خرچیوں سے، سیاسیات میں مسلمانوں کے سیاسی رہنماؤں کے عدوان و عصیان و نافرمانی سے۔

عطیہ سند ولایت

جب مسلمان مذکورۃ الصدر معنی ولایت و تقوٰی کا پابند ہو جائے گا۔ تو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ کی فہرست میں شامل ہو کر اولیاء اللہ کی فہرست میں شمار کیا جائیگا۔ اور اولیا کرام کی سرفرازیوں سے سرفراز اور ان کے متعلقہ نعمتوں سے ممتاز کیا جائیگا۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَیْرٌ مِّنَ الْاُوْلٰی۔

اٰمِیْن یَا اِلٰہَ الْعَالَمِیْن۔

چوتھا خطبہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی

یَاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعمَلُوا صٰلِحًا اِنِّی بِمَا تَعمَلُونَ عَلِیمٌ :- ترجمہ :- اے پیغمبرو! تم نفیس چیزیں کھاؤ۔ اور نیک کام کرو۔ میں تمہارے سب اعمال (کاموں) کو خوب جانتا ہوں۔

دعوتِ عمل

آج کی معروضات کا ماحصل مسلمانوں کو دعوتِ عمل دینا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو تمام بنی نوع انسان میں سے اعلیٰ۔ افضل۔ اشرف۔ اور اقرب الی اللہ ہستیاں ہوتی ہیں۔ انہیں بھی خدا تعالیٰ کی پاکیزہ عمدہ اور ستھری اشیاء استعمال کرنے کے بعد اعمال صالح کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ مقدس ہستیاں اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے یقیناً پاک ہوتی ہیں۔ اور از سرتا پا شرافت سعادت۔ صلاحیت غرضیکہ مجمعہ اخلاق حمیدہ ہوتی ہیں۔ ان کا دامن تمام گناہوں کی آلودگیوں سے پاک ہوتا ہے جب وہ مقدس ہستیاں بھی اس صفحہ دنیا پر آکر اعمال صالح کرنے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکیں۔ تو باقی افراد نوع انسانی

تو بطریق اولیٰ خدا کی نعمتیں استعمال کرنے کے بعد نیکوکاری اور پرہیزگاری کے لئے پابند ہونے چاہئیں۔ کیونکہ عام طور پر انسان خدائے تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کر کے غفلت شعار۔ بدکردار اور خدا کا نافرمان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد واجب الاعتقاد باری تعالیٰ عزّ اسمہ و جلّ مجدہٗ اس پر شاہد عدل ہے۔ قولہ تعالیٰ: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ ترجمہ: ہرگز نہیں تحقیق انسان البتہ سرکش ہو جاتا ہے۔ بسبب اس کے کہ وہ مستغنی ہو جاتا ہے۔

لہذا ایسے گنہگار غفلت شعار انسان کا تو سب سے مقدم ترین فرض یہ ہونا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالے کی عبادت بجالائے تاکہ اس کے گناہوں کا جبر و نقصان ہوتا جائے اور قیامت کے دن نعمتوں کے متعلق باز پرس ہونے کے وقت اپنی نیکوکاری وفا شعاری اور فرمانبرداری کو پیش کر کے رحمت الٰہی کو جوش میں لائے اور اعمال صالح کے ناچیز ہدیہ کو پیش کر کے اپنے گناہوں کی سزا سے نجات پائے۔ اسی لئے قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ ترجمہ پس

جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے۔ اسے چاہیئے۔ کہ عمل صالح کرے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

مدارج انسانیۃ میں امتیاز

نوع انسانی کے سب افراد ایک ہی صورت لے کر دنیا میں آتے ہیں۔ اور اپنے اعمال ہی کے مدارج کے لحاظ سے مختلف حیثیتیں پاتے ہیں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں گے۔ تو تمام انسانوں کے دو ہاتھ۔ دو پاؤں۔ دو آنکھیں ایک ناک اور قد سیدھا آپ کو نظر آئے گا۔ اس کے بعد اعمال ہی کے لحاظ سے ایک مقبول دوسرا مردود۔ ایک محبوب دوسرا مبغوض۔ ایک مرحوم۔ دوسرا ملعون۔ ایک جنت کا وارث۔ دوسرا جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔ اور ان مراتب کا امتیاز فقط اعمال ہی پر موقوف ہے۔ چنانچہ ایک جملہ معترضہ کے بعد مقبولین بارگاہ الہٰی کے اعمال صالح کی ایک مختصر سی فہرست آپ کے سامنے پیش کی جائے گی۔ تاکہ اعمال صالح کے اس آئینہ میں اپنے روحانی چہرے کے خال و خط دیکھ کر بآسانی اصلاح کی توفیق ہو۔

جملہ معترضہ

خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ اپنی ذات پاک کی معرفت کیلئے بھی اپنے افعال حمیدہ ہی پیش فرماتے ہیں۔ تاکہ انسان ان افعال الٰہیہ کو دیکھ کر خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات والا صفات کا اقرار کرے اور اُس محسن حقیقی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر بطور شکریئے کے اس کی عبادت بجا لائے۔ اور یہ سمجھ لے۔ کہ جس طرح خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ میری ربوبیت کا حق ادا فرما رہے ہیں۔ اسی طرح میرا بھی فرض ہے کہ میں ان کی بارگاہ میں فرائض عبودیت (بندگی) بجا لاؤں۔

افعال الٰہیہ کی مختصر سی فہرست

(۱) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ○ ترجمہ:۔ اور وہ ذات وہ ہے۔ جس نے زمین اور آسمان ٹھیک بنائے۔ اور جس دن کہیگا۔ پس وہ ہو جائے گا۔ پ

(۲) وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ج وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ پ ترجمہ:۔ اور اُس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

(۳) اَفَرَأَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ ترجمہ:۔ بھلا دیکھو تو جو پانی ٹپکاتے ہو اب تم اس کو بناتے ہو۔ یا ہم ہیں بنانے والے۔

(۴) اَفَرَأَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ پ۲۷ ترجمہ:۔ بھلا دیکھو تو جو بوتے ہو۔ کیا تم اس کو کھیتی کرتے ہو یا ہم ہیں کھیتی کرنے والے۔

(۵) اَفَرَأَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ ترجمہ:۔ بھلا دیکھو تو۔ پانی جو تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے۔ یا ہم ہیں اُتارنے والے۔

(۶) اَفَرَأَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ پ۲۷ ترجمہ:۔ بھلا دیکھو تو۔ آگ جو سلگاتے ہو کیا تم نے اُگایا اس کا درخت یا ہم ہیں اُگانے والے۔ جس طرح خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ نے اپنی الوہیت کا استحقاق بندوں کو جتانے کیلئے اپنی الوہیت کے مختلف کرشمے پیش فرمائے ہیں اسی طرح بندے کا بھی فرض ہے۔ کہ وہ اپنی عبودیت کی صفات عملی طور پر بطور ہدیہ قلبلہ بارگاہ الٰہی میں پیش

کرے اور اپنے عجز کا اقرار کر کے اپنے تصور کو تسلیم کرے۔ کہ اے اللہ میں تیری نعمتوں کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ تو ان میری معمولی سی خدمات کو قبول فرما کر اپنے بقیہ حقوق پر قلم عفو پھیر دے۔ اور مجھے اپنے عذاب سے بچا۔ اور اپنی رضا کا تمغہ عطا فرما۔ اور جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچا۔

صفاتِ عبدیت

(۱) قولہٗ تعالیٰ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ ترجمہ اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں۔ اور جب بات کرنے لگیں۔ اُن سے جاہل کہیں صاحب سلامت۔

(۲) وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ○ پ ۱۹ ترجمہ:۔ اور وہ جو رات گذارتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں یا کھڑے ہو کر۔

(۳) وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ ترجمہ:۔ اور جو کہتے ہیں۔ اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب بے شک اس کا عذاب بڑی چٹی ہے۔

(۴) وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○ پ ۱۹ ترجمہ:- اور وہ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ فضول خرچی کریں اور نہ تنگی کریں - اور ہے اس کے بیچ میں ایک سیدھی گذران -

(۵) وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ○ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ○ پ ۱۹ ترجمہ:- اور وہ جو نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود - اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کیا اللہ نے مگر جہاں چاہیئے - اور بدکاری نہیں کرتے - اور جو کوئی کرے - یہ کام وہ بڑے گناہ سے ہے

(۶) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○ ترجمہ:- اور وہ جو شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں - اور جب ہو نکلیں کھیل کی باتوں پر گزر جاویں بزرگی رکھ کر -

(۷) وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ○ ترجمہ:- اور وہ جو کہتے ہیں - اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور بنا دے ہم کو پرہیزگاروں کے آگے -

آخری دعا:۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنے اندر صفات عبدیت پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ بندگی الہٰی کا دعویٰ بلا ثبوت نہ رہ جائے۔ اور عبدیت بلا ثبوت عمل رہ کر کے جہنم کا ایندھن نہ بننے پائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے تمام اقوال و افعال عادات و اطوار۔ رسم و رواج میں حسب توفیق عبدیت کا مستحکم ثبوت دیں۔ اور اللہ تعالے کے عذاب سے نجات پائیں۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضی واجعل آخرتنا خیر من الاولیٰ

پانچواں خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ۝ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۝ **ترجمہ**

خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کا فرمان واجب الاذعان ہے کہ جس شخص نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی یعنی دنیا کو اچھا سمجھا اور اختیار کرلیا۔ مگر آخرت کو بھلا دیا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے (محاسبہ) سے ڈرا۔ اور

خواہشاتِ نفس کو روکتا رہا۔ اور تابع احکام الہٰی رہا۔ تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

دنیا اور آخرت

حضرات! آپ جانتے ہیں۔ کہ جہان دو ہی ہیں۔ ۱۔ دنیا ۲۔ آخرت۔ دنیا کو دنیا اس لئے کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ "قریب" چونکہ یہ جہاں قریب ہے۔ اس لئے اس کو دنیا کہتے ہیں اور آخر کے معنے پیچھے اور بعد کے ہیں۔ اس لئے آخرت کو آخرت کہتے ہیں۔ کہ وہ اس جہاں (دنیا) سے بعد آنے والا جہان ہے۔ جو لوگ آخرت اور عاقبت سے غافل ہیں۔ اور اس پر یقین نہیں رکھتے۔ اور کہتے ہیں کہ ؎

یاں تو آرام سے گذرتی ہے :: عاقبت کی خبر خدا جانے

انہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اگر آخرت نہ ہوتی۔ تو یہ دنیا بھی نہ ہوتی۔ کیونکہ ارشاد نبوی ہے۔ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ یہ دنیا آخرت ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ جو یہاں بوؤ گے۔ وہ وہاں کاٹو گے۔ جیسے عمل کرو گے۔ ویسی جزا پاؤ گے۔ اگر احکامِ الٰہی مان لو گے۔ تو اپنی آخرت سنوار لو گے۔ اگر ان سے

انحراف کروگے اور خواہشاتِ نفس کی اتباع کروگے۔ تو اپنی عاقبت بگاڑ لوگے۔

ایک مثال

اس دنیا میں سونا اور چاندی سب سے قیمتی چیزیں ہیں۔ سبھی کو ان کی احتیاج ہے۔ جس کے پاس دولت زیادہ ہو وہ بلا تمیز مذہب و ملت اور بلا اعتبار حسب و نسب امیر اور معزز سمجھا جاتا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ بڑے بڑے صحیح النسب قریشی اور سید اور بڑے بڑے شریف زادے مفلس اور قلاش ہیں۔ بھیک مانگتے ہیں۔ نوکریاں کرتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں وہ جو کسی اونچے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ ذات کے اعتبار سے ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں۔ مگر دولت رکھتے ہیں۔ آقا اور مالک بنے بیٹھے ہیں اور وہ شریف زادے اُن کے نوکر ہیں۔ اور چلمیں بھر بھر کے دیتے ہیں۔ اُن کے بوٹ صاف کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دنیوی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حسب نسب قوم اور خاندان۔ رنگ اور نسل۔ ملت اور طینت کا کوئی لحاظ اور امتیاز نہیں۔ بلکہ جس کے پاس دولت اور سونا ہے۔ وہ امیر کبیر ہے مالک اور آقا ہے۔ خواہ ہندو ہو یا مسلمان۔ سکھ ہو یا

عیسائی ، بھنگی ہو یا چمار ۔ بعینہٖ اسی طرح خیال رہے ۔ کہ آخرت میں بھی صرف ایک ہی چیز کام آنیوالی ہے ۔ اس کے سوا وہاں بھی اور کوئی چیز حسب نسب ۔ دولت ثروت ۔ بڑائی اونچائی کسی کام نہ آئے گی ۔ جس طرح یہاں دولت سے انسان معزز و محترم ہے ۔ اسی طرح وہاں " اعمال صالحہ " سے معزز و محترم ہوگا ۔ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۔ قیامت کے دن کوئی مال و دولت ۔ اپنے ۔ بیگانے ۔ خویش و اقارب ۔ حسب نسب کسی کام نہ آئیں گے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی ؛ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

بلکہ وہاں تو کام آنے والی چیز ایک اور صرف ایک ہی ہے ۔ اور وہ ہے " عمل صالح " جس کے پاس عمل صالح ہوئے ، وہ اس روز معزز ہوگا ۔ اور جس کے پاس اچھے عمل نہ ہوئے ۔ وہ ذلیل و خوار ہوگا ، خواہ دنیا میں کیسا ہی اعلیٰ سے اعلیٰ اور محترم کیوں نہ مانا جا چکا ہو ۔

اعمال صالح کی تشریح

ہر وہ عمل جو ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے تقاضہ سے سرزد ہو ۔ وہ عمل صالح ہے اور اسی عمل صالحہ کی وجہ سے وہ شخص خدا تعالےٰ کی بارگاہ میں معزز و سرفراز ہو سکتا ہے

اعمال صالحہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک لازمی دوسرے اختیاری
لازمی وہ جسے ارکان اسلام کہتے ہیں۔ توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج
زکوٰۃ ان کی پابندی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص ان کی
پابندی نہیں کرتا۔ اور پھر سمجھتا ہے۔ کہ میرے اعمال
اچھے ہیں۔ تو وہ غلطی پر ہے۔ اعمال صالح کے لئے ضروری
اور لازمی شرط یہ ہے۔ کہ وہ سنت نبوی کے مطابق ہوں
اللہ تعالےٰ نے اپنی محبت اور پیار کا اہل اور مستحق بننے
اور دارین کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہمیں ایک
پروگرام عطا فرمایا ہے۔ جس کا نام ہے قرآن اس پروگرام
پر عمل کر کے دکھانے والے ہیں۔ جناب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والسلام اس پروگرام پر عمل کرنے سے انسان کی جملہ ضروریات
دنیوی بھی پوری ہو جاتی ہیں۔ اور آخرت کا سرمایہ بھی جمع ہوتا
جاتا ہے۔ سنت کے معنے راستہ کے ہیں یعنی عمل کا وہ
راستہ جسے حضور پر نور نے اختیار فرمایا اور یہ بدیہی ہے۔ کہ
اعمال کے تمام راستوں سے وہی راستہ بہتر ہو سکتا ہے
جسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہو۔ اور
وہی سنت ہے۔ اور سنت کی پابندی ہر مسلمان کے لئے
لازمی اور لابدی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضورؐ
نے اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا تھا۔ کہ

تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِہِمَا کِتٰبَ اللّٰہِ وَسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ ۔

میں تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ایک اللہ کی کتاب (قرآن مجید) دوسرے اپنی سنت (حدیث شریف) جب تک تم ان دونو پر قائم رہو گے ۔ دین و دنیا میں کامیاب (ا) ہو گے اور جب ان کو چھوڑ دو گے تو بھٹک جاؤ گے ۔ آج اعمال صالحہ کے باب میں اکثر مسلمان بھٹک رہے ہیں ۔ اور وہ سنت کی صحیح راہ چھوڑتے جاتے ہیں ۔ اختیاری اعمال صالحہ میں تو ہندو ۔ سکھ ۔ عیسائی بھی ہمارے دوش بدوش ہیں ۔ یعنی وہ بھی سچ بولتے ہیں۔ جھوٹ سے بچتے ہیں ۔ کبر ۔ نخوت ۔ غرور کو برا سمجھتے ہیں ۔ محنت مروت ۔ انکساری ۔ خاکساری کو اچھا کہتے ہیں ۔ اور اس قسم کے جملہ اعمال حسنہ میں ہمارے ساتھ ساتھ ہیں ۔ مگر وہ اعمال صالح جن کی تعلیم اور تلقین کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے ۔ صرف حضورؐ کی اطاعت اور اتباع ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

اسلام کی تعلیم

اسلام صرف اپنے متبعین کو صرف احسان تصوف اور رہبانیت ہی کی تعلیم نہیں دیتا ۔ وہ سادھوؤں کی طرح

ترک خواہش کی تعلیم دیتا ہے۔ کہ اچھا اور عمدہ کھانے پینے۔ پہننے سے پرہیز کی جائے اور شادی بیاہ اور اولاد پیدا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ بلکہ وہ ان تمام دنیوی علائق کو بہترین طریق پر سرانجام دینے اور قومی و اجتماعی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے یہ چاہتا ہے۔ کہ اگر ان جکڑ بندیوں میں گرفتار ہونے کے باوجود تم سرمایۂ سعادت جمع کرو۔ اور یہی ایمان اور ایقان ہے۔

نہ تجرید تجرید تن از قباست ؛ کہ تجرید تجرید نفس از ہواست

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ تبع المیت ثلثۃ۔

تبع اھلہ و مالہٗ وَعملہ فیرجع اثنان و یبقٰی واحدًا یعنے کسی مرنے والے کے پیچھے تین چیزیں اس کی قبر تک جاتی ہیں۔ اس کے اہلؔ وعیال۔ مالؔ ومنال اور اعمالؔ پہلی دونوں تو واپس آجاتی ہیں۔ مگر تیسری اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اگرچہ مال و دولت آنکھیں بند ہوتے ہی غیر کی ملک ہوتے ہیں۔ تاہم میت کو قبر تک پہنچانے تک وہ اسی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور خویش و اقارب بھی اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر جونہی میت کو دفن کیا۔ ان دونوں نے رُخ بدلا اسی لئے حضورؐ نے فرمایا۔ کہ مرنے کے بعد تین چیزیں اہل وعیال، مال ومنال اور

اعمال جن کے ساتھ اسے خاص تعلق تھا ۔اس کے ساتھ ہوتے ہیں ۔ مگر خویش واقارب اور مال ودولت تو واپس ہو جاتے ہیں ۔اور عمل وہیں رہ جاتے ہیں ہیں ۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کی زندگی کا مدار انہیں تین چیزوں پر ہے ۔ اس لئے جس شخص نے ان کے حصول کے صحیح اصول معلوم کر لئے ۔ وہ کامیاب ہو گیا ۔ اور جو تیسری چیز کو بھول گیا ۔ وہ پہلی ہی چیزوں میں الجھا رہا ۔ وہ ناکام رہا ۔

علائق دنیوی کی مثال

علائق دنیا کی مثال ایسی ہے ۔ جیسے بکریوں کے ریوڑ میں کسی کی ماں ہوتی ہے ۔ کوئی بہن ہوتی ہے ۔ اُن میں باپ بھی ہیں ۔ غرضیکہ وہ بھی سب ایک دوسرے کے ساتھ ویسے علاقہ رکھتے ہیں ۔ جیسے انسان باہم رشتہ رکھتے ہیں ۔ وہ سب دن بھر جنگل میں مل جل کر چرتے ہیں اور رات کو ایک باڑے میں بند کر دیئے جاتے ہیں ۔ صبح اُٹھ کر مالک جس کی گردن پر چاہتا ہے ۔ چھری پھیر دیتا ہے ۔ اور دوسری بکریوں کو پھر جنگل کی طرف ہانک دیتا ہے ۔ مگر آپ نے کبھی نہ دیکھا ہوگا ۔ کہ بکریوں نے دوسرے دن چرنے یا جنگل میں جانے سے

انکار کر دیا ہو۔ اور مرنے والی بکری کا سوگ منایا ہو۔ حالانکہ وہ مرنے والی بکری اسی طرح ان کی رشتہ دار تھی۔ جس طرح ہم ایک دوسرے کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ مگر وہ ان رشتوں ناطوں کے علائق میں اس طرح گرفتار نہیں ہیں۔ جتنے ہم گرفتار ہو چکے ہیں۔ یاد رکھئے گا۔ یہ رشتے ناطے سب عارضی ہیں۔ اسی لئے ان کا تعلق صرف تمہاری زلیست تک ہے۔ مرنے کے بعد نہ ماں کسی کے کام آسکتی ہے نہ باپ نہ بھائی نہ بیٹا نہ بیوی نہ خاوند

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۙ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ؕ لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ؕ

یعنی قیامت کے دن بھائی بھائی سے بیٹا باپ اور مائی سے خاوند بیوی اور اولاد سے متنفر ہوگا۔ اور ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہو گی۔

فرض شناسی

اس دنیا میں خدا تعالیٰ نے جن جن کے تعلقات ہمارے ساتھ وابستہ کر دیئے ہیں۔ اُن کے فرائض کی ادائیگی ہمارے ذمہ واجب ہے۔ لیکن یہ تمام رشتے ناطے صرف طمع اور نفع کی اُمید پر قائم ہیں خاوند بیوی کی اس لئے خدمت کرتا ہے۔ کہ خدا نے

اس کیساتھ ایک تعلق جوڑ دیا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی۔ تو ممکن تھا کہ اس کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا۔ بیوی خاوند کی اس لئے خدمت کرتی ہے۔ کہ وہ کماتا ہے۔ اور محنت و مشقت جھیل کر لاتا ہے۔ اور اسے کچھ کھلاتا ہے۔ غرضیکہ بھائی سے بھائی نفع کی توقع رکھتا ہے تو اُس کے کام آتا ہے۔ باپ، بیٹے، چچے، بھتیجے، ماموں بھانجے غرضیکہ سب رشتوں کی بنیاد اپنے مفاد پر قائم ہے۔ اگر آج آپ کی ذات سے دوسروں کو نفع کی توقع نہ رہے۔ تو پھر دیکھئے۔ آپ کے کتنے رشتہ دار صحیح معنوں میں رشتہ دار ثابت ہوتے ہیں۔

اوّل خویش بعد درویش

عام طور پر یہ مقولہ مشہور ہے۔ کہ "اوّل خویش بعد درویش" خویش سے مراد فقط اپنی ذات ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے جتنی قوتیں اور طاقتیں عطا فرمائی ہیں۔ اول اس پر جتنی رحمتیں اور عنائتیں کی ہیں ان سب کے ذریعہ سے پہلے یہ اپنی عاقبت درست کرے۔ اور بعدہٗ ان نعمتوں کو خواہ وہ کس شکل میں ہوں۔ دوسروں پر خرچ کرے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اوّل خویش سے مراد اپنے خاندان اور کنبہ والے لوگ ہیں۔ اور درویش سے مراد ایسے مستحق لوگ ہیں۔ جو

مفلس ۔ نادار ۔ بے سروسامان اور در بدر پھرنے والے ہیں چنانچہ اس غلط فہمی کی بنا پر وہ اپنی عاقبت برباد کر لیتے ہیں ۔ دن بھر تو دکان پر رہتے ہیں ۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں ۔ دفتروں میں اور نوکریوں میں اُلجھے رہتے ہیں ۔ نہ نماز کی ہوش ہے ۔ نہ قرآن کی ۔ نہ ذکرِ الٰہی کے لئے وقت ملتا ہے ۔ نہ خدمت دین کے لئے سارا دن اپنے نفس کے لئے بیوی بچوں کے لئے مرتے رہے ۔ کسی کی حق تلفی کی ۔ کسی سے رشوت لی ۔ کسی کو دھوکہ دیا فریب مکاری اور عیاری سے کام لیا ۔ سود کھایا ۔ حرام کھایا ۔ اور جن کے لئے جمع کیا ۔ ان میں سے مرتے وقت کوئی ایک بھی کام نہ آیا آہ ! انسان تو حیوانوں ہی سے سبق لیتا اور تجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ ؎

دلوں میں الفتِ باہم کا دم تک جوش ہوتا ہے ؛ مریگا تو جنازہ بھی وبالِ دوش ہوتا ہے

اِدھر تو دنیا سے رخصت ہوا ۔ آنکھیں بند کیں ۔ اُدھر ان سب عزیزوں نے تجھ سے آنکھیں پھیر لیں ۔ آہ ! ۔ جن کے لئے تو مرتا رہا وہ سب بے وفا نکلے ۔ اور قبر میں ڈال کر گھر آ گئے ۔ اور "جن اعمال حسنہ" سے تو غافل رہا وہی تیرے ساتھ گئے ۔ اور کام آئے ۔ کاش تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے سبق لیتا

مومن اور کافر میں فرق

حضرات! میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اسلام ترکِ دنیا اور رہبانیت کے خلاف ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے۔ کہ تم دنیا میں رہ کر اور سب سے تعلق قائم رکھ کر خدا کی یاد کرو۔ یہ نہیں کہ خدا کی یاد میں سب کو بھول جاؤ۔ اور سب کو چھوڑ دو۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ طریق کے مطابق خوب کماؤ۔ ہاں زر وسیم اور زن و فرزند میں اتنا دل نہ لگاؤ۔ کہ خدا سے غافل ہو جاؤ۔ مومن اور کافر میں بس یہی فرق ہے۔ کہ کافر دنیا سے ایسا دل لگاتا ہے۔ کہ خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ مگر مومن دنیا کو استعمال تو اسی طرح کرتا ہے۔ مگر اسے کبھی آخرت پر ترجیح نہیں دیتا۔ اور خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ مولینا روم رح اسی معنیٰ میں فرماتے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن ؛ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے شریف گھرانوں میں بعض نوکر اور ملازم ہوتے ہیں اور آقا اور مالک جس ہنڈیا سے خود کھاتے ہیں۔ ان کو بھی کھلاتے ہیں۔ جو کپڑا خود پہنتے ہیں۔ کچھ مستعمل ہونے کے بعد وہی نوکروں کو دے دیتے ہیں۔ غرضیکہ کھانے پینے پہننے رہنے

سہنے ہیں ان کو بالکل اپنے گھر سا آدمی سمجھتے ہیں۔ لیکن خدانخواستہ اگر کبھی بیگم اور باندی میں کوئی تکرار ہو جاتی ہے تو پتہ اس وقت چلتا ہے۔ کہ ان دونوں میں کتنا بیّن فرق ہے۔ باندی اور ملازمہ کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ مگر بیگم صاحبہ کو کچھ نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ گھر کی مالکہ ہیں۔ اور وہ ملازمہ معمولی خدمتگار اور عارضی متعلقین میں سے تھی۔ پس بعینہٖ ایک مومن جب دنیا اور آخرت میں تصادم دیکھتا ہے۔ تو وہ آخرت کو ترجیح دیتا ہے اور دنیا کو ترک کردیتا ہے۔ حضورؐ نے اسی لئے فرمایا تھا کہ۔ اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَّافِیْہَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَاوَالَاہُ وَعَالِمٌ اَوْمُتَعَلِّمٌ لعنت کے معنیٰ بعد عن الرحمت کے ہیں۔ یعنی جہاں ذکر الٰہی نہ ہو۔ تحصیل و اشاعت علم کا کام نہ ہو۔ وہاں اللہ تعالےٰ کی رحمت نہیں ہوتی۔

ذاکر اور غافل کی مثال

ذاکر اور غافل کی مثال نبی کریمؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوں بیان فرمائی ہے۔ کہ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ کَمَثَلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ یعنی ذاکر اور غافل کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔

زندہ انسان سے تو سینکڑوں اور ہزاروں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مگر مردہ سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ ہم زندہ اُسے سمجھتے ہیں۔ جو کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ وہ ہے۔ جس کا دل ذاکر ہے۔ جو دل سے زبان سے ذکر سے فکر سے ہر وقت یاد خدا میں مصروف رہتا ہے۔ اور اس کی گردن سوائے خدا کے اور کسی کے آگے نہیں جھکتی اور اس کا سر نیاز سوائے خدا کے اور کسی کے آگے خم نہیں ہوتا اس کے دل پر رحمت الٰہی کا پرتو ہوتا ہے۔ اور اس کا قلب تجلیاتِ الٰہیہ کا مہبط بن جاتا ہے۔ ہر ساعت اور ہر آن اس پر رحمت الٰہیہ کی بارش ہوتی ہے۔ وہ جس مکان میں رہتا ہے۔ اس مکان پر اللہ کی رحمت برستی ہے۔ جس چار پائی پر سوتا ہے۔ اس چار پائی پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ جو لباس پہنتا ہے۔ اس لباس پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ جس مجلس میں شریک ہوتا ہے۔ اس مجلس پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ مگر غافل انسان جسے مُردہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَاءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ پ۲۲ وہ اس کی خاک پا تک نہیں پہنچ وہ جانوروں کی طرح خدا کی نعمتیں تو کھاتا ہے۔ اور بڑے بڑے محلوں اور کوٹھیوں میں زندگی بسر کرتا ہی

مگر کبھی بھول کر بھی ذکر الٰہی کی توفیق اسے نہیں ہوتی وہ بڑے بڑے اہم کام تو کر گزرتا ہے۔ مگر نماز کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ وہ تانگوں اور موٹروں میں تو ہر وقت گھومتا رہتا ہے۔ مگر جمعہ کے لئے کسی جامع مسجد میں بھول کر بھی نہیں جانے پاتا۔ وہ قوم کا لیڈر ہو یا سرکاری لیڈر ہو یا مجسٹریٹ۔ کونسل کا ممبر ہو یا وزیر۔ پانچسو تنخواہ پاتا ہو یا پانچہزار۔ مگر خدا کے نزدیک حیوانوں سے بدتر ہے اور خدا کی نظروں میں ان غریبوں اور مسکینوں سے ذلیل و حقیر ہے۔ جنہیں کھانے کے لئے نہ پلاؤ ملتا ہے۔ نہ قورمہ اور پہننے کے لئے نہ کمخواب نصیب ہوتا ہے۔ نہ اطلس چلنے کے لئے نہ موٹر ہے نہ تانگہ پھٹا پرانا پہنتے ہیں۔ روکھا سوکھا کھاتے ہیں۔ دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں۔ مگر جب اذان سنتے ہیں۔ تو فوراً مسجد میں پہنچ جاتے ہیں۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ چلتے۔ پھرتے اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یہ ہزار درجہ اُن رئیسوں سے بہتر ہیں۔ جو ذکرِ الٰہی تو درکنار اذان سن کر کلمہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔

حضرات! ایک ذاکر اور غافل کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک عطر کی شیشی کو مکان میں کہیں رکھ دیا جائے تو وہ چھپی نہیں رہ سکتی۔ اور ہر آنے والا اس کی مہک ہی سے

معلوم کر لیتا ہے۔ کہ یہاں عطر موجود ہے۔ خواہ وہ چھپا کر ہی کیوں نہ رکھا گیا ہو۔ مگر غافل گندگی کا ایک ٹکرا ہے۔ جسے کتنا ہی ڈھانپ کر کیوں نہ رکھا جائے۔ مگر وہ اپنی عفونت دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خواہ اسے کتنے ہی قیمتی اور بیش بہا غلافوں میں کیوں نہ لپیٹ کر رکھا جائے اگر انسان غافل ہے۔ تو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدوں پر کیوں نہ پہنچ جائے۔ متمول اور دولتمند ہو جائے۔ کوٹھیوں اور باغوں میں زندگی بسر کرے۔ مگر وہ خداتعالیٰ کے ہاں آسودہ حال نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کا دل ذکر الٰہی سے آسودہ نہ ہو۔

بہ بین تفاوت راہ

حضرات! ذرا غور فرمایئے ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔ صاحب ایمان و ایقان ہیں۔ ہم وہی کلمہ اور قرآن پڑھتے ہیں۔ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ پڑھا کرتے تھے۔ ہم بھی اسی طرح نماز ادا کرتے ہیں۔ جس طرح عمر فاروقؓ ادا کیا کرتے تھے۔ ہم اسی طرح روزہ رکھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ جس طرح ابوعبیدہ بن جراحؓ اور عمرو بن العاص رضؓ اور خالد بن ولید رضؓ ادا کرتے تھے۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ ہم میں اور ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

انہیں اعمال کی بدولت وہ دنیا میں سرفراز ہوئے۔ اور ہم سرنگوں ہیں۔ وہ معزز تھے۔ ہم ذلیل ہیں۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر پہنچ گئے۔ اور ہم ادنیٰ سے ادنیٰ منازل سے بھی گر گئے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر تھوڑی سے غور اور تدبر سے کام لیا جائے۔ تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ فرق صرف یہ ہے۔ کہ وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے۔ اور ہم دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ دین کے لئے دنیا چھوڑ دیتے تھے۔ مگر ہم دنیا کے لئے دین چھوڑ دیتے ہیں۔ دور نہ جائیے۔ صرف تعلیم ہی کے مسئلہ کو لے لیجئے۔ اور دیکھئے کہ آج مسلمان کے کتنے بچے قرآن اور حدیث پڑھ رہے ہیں اور کتنے انگریزی سکولوں میں داخل ہیں۔

انگریزی تعلیم کا اثر

میں انگریزی تعلیم کا مخالف نہیں ہوں۔ بلکہ چاہتا ہوں۔ کہ مسلمان نہ صرف دوسری قوموں کے دوش بدوش بی اے ایم۔ اے کی ڈگریاں حاصل کریں۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ خدا کرے یہ دنیوی وجاہت میں اُن اُن سے بھی بڑھ جائیں۔ مگر اس وقت مجھے جو کچھ کہنا ہے۔ وہ صرف یہ ہے

کہ چونکہ انگریزی تعلیم سے صرف حصول ملازمت اور طلبِ دنیا مقصود ہے۔ اور درسِ قرآن سے بظاہر کوئی دنیوی منفعت نظر نہیں آتی اس لئے ہم کثرت سے اپنے بچوں کو طلبِ دنیا کے لئے انگریزی سکولوں میں دھکیلتے جاتے ہیں اور تعلیم قرآن کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ اگر اعداد و شمار کی رُو سے دیکھا جائے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر سال صرف پنجاب میں میٹرک پاس کرنے والوں کی تعداد بیس پچیس ہزار کے درمیان ہوتی ہے اور دینی تعلیم پانے والوں کی تعداد چند سو سے بھی زائد نہیں ہوتی۔ پھر یہ بیس پچیس ہزار انگریزی خواں جو طلبِ زر کے لئے اپنی عمریں اور جائدادیں تباہ کر لیتے ہیں۔ ملازمت سے بھی محروم رہتے ہیں۔ دین بھی چھوٹا اور دنیا بھی ہاتھ نہ آئی۔ اگر یہ لوگ تعلیم انگریزی کے ساتھ ساتھ قرآن کریم بھی پڑھ لیتے اور اپنے دین سے بھی آگاہ ہو جاتے تو کم از کم خسیر الدنیا والآخرۃ تو نہ ہوتے۔ مگر ہوتا کیا ہے۔ ہم اپنے بچوں کو پیدا ہوتے ہی مسجد کی بجائے سکول جانے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ذرا شُد بُود ہو لے۔ تو قرآن پڑھائینگے۔ مگر جب اُس نے پرائمری پاس کر لی۔ تو مڈل میں بھیج دیا۔ مڈل پاس ہوا۔ تو میٹرک گیا۔ میٹرک

سے نکلا۔ تو ایف اے۔ بی اے۔ ایم اے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بس پھر کیا ہے۔ وہ بچہ خود بخود ہی ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ اس کے دل اور دماغ پر انگریزی تہذیب انگریزی تمدن انگریزی کلچر کا بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ وہ قرآن سے واقف تو نہیں ہوتا۔ مگر قرآن پر اعتراض کرنا جانتا ہے۔ اور اسلامی تعلیمات سے تو نابلد ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ نماز اور جنازہ سے بھی ناآشنا ہوتا ہے مگر وہ اسلامی مسائل پر تنقید کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو بڑا مجتہد سمجھتا ہے۔ اور یہ اس کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ اس کے والدین کا قصور ہے۔ اور ایسے والدین پر وہ قیامت کے دن لعنت بھیجیگا۔ اور اور کہے گا۔ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ؕ۔ الٰہی ان پر دگنا عذاب کر اور ان پر لعنت برسا کہ انہوں ہی نے ہمیں جنت سے روکا اور جہنم میں جھونکا۔ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۔ وہ کہیں گے۔ یا اللہ! ہم نے ان بزرگوں اور بڑوں کا کہا مانا۔ اور انہی نے ہمیں صراط مستقیم سے ہٹایا اور گمراہ کیا تھا پس بھائیو! اب وقت ہے۔ کہ ہم سنبھل جائیں۔ اور

اپنی اولاد کو بھی بچائیں اور دین کو دنیا سے مقدم سمجھیں۔ اور کبھی بھولے سے بھی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیں۔ اور ہر معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کو پیش نظر رکھیں۔

آنحضورؐ کے ارشادات

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں ہر طرح سے دین اور دنیا کی تعلیم دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ ایک موقعہ پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اگر اللہ تعالےٰ کسی کو تین چیزیں عطا فرما دے۔ تو اُس کی نجات یقینی ہے۔ اول اسلام دوم رزق کفاف سوم اس پر صبر و قناعت اسلام ایک بے بہا دولت ہے۔ جس کی قدر و قیمت وہی جانیں۔ جنہیں مشکلات اور مصائب جھیلنے کے بعد یہ نصیب ہوا ہو۔ ہم ناز و نعمت میں پلے ہوئے اور صرف زبانی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دینے والے اسے کیا سمجھیں۔ اسلام تو وہی اسلام ہے۔ جسے صحابہ کرام نے اور اولیائے عظام نے قبول کیا۔ اور رزق کفاف کی چاشنی سے بھی کچھ وہی لوگ آشنا ہیں۔ جو صبر و قناعت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطمینان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ

تینوں بے بہا نعمتیں ہیں۔ جنہیں مل گئیں انہیں اطمینان نصیب ہو گیا۔ اور جو اِن سے محروم رہا۔ وہ کبھی مطمئن نہ ہو سکا۔

ایک دوسری حدیث میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو۔ (۱) شباب کو بڑھاپے سے پہلے کیونکہ بڑھاپے میں نہ وہ عزائم رہتے ہیں، نہ جوش عمل۔ ایک ایک قوت بتدریج رخصت ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے جو کچھ کرنا ہو۔ جوانی ہی میں کر لو۔ (۲) غنا کو فقر سے پہلے غنیمت سمجھو کیونکہ دولت چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج کسی کے پاس ہے۔ تو کل کسی کے پاس۔ اس لئے جب اللہ نے دولت دی۔ تو غفلت نہ کرو۔ آسودہ حالی میں انسان میں وہ عمل خیر کر سکتا ہے۔ جو غربت اور افلاس کی حالت میں نہیں کر سکتا۔ (۳) صحت کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو۔ اور صحت و تندرستی کی حالت میں جو کچھ ممکن ہو سکے۔ کر لو کیونکہ بیماری میں پھر کچھ نہیں ہو سکے گا۔ (۴) فراغت کو مصروفیت سے پہلے غنیمت سمجھو۔ کیونکہ آج تمہیں فراغت ہے۔ ممکن ہے کل نہ ہو۔ اور جو کام تم آج کرنا چاہتے ہو۔ وہ کل نہ کر سکو۔ (۵) زندگی کو موت سے پہلے

غنیمت سمجھو۔ کیونکہ موت کا کوئی علم نہیں۔ کہ کب ملک الموت گرفتاری کا وارنٹ لے کر آجائیں۔ پھر نہ توبہ کی مہلت دیں نہ استغفار کی۔ نہ نماز کے لئے چھوڑیں۔ نہ خیرات کے لئے وقت دیں۔ لہذا جو کچھ ممکن ہو۔ موت سے پہلے پہلے کر لو اور اس حیات مستعار کو غنیمت سمجھو۔ اس زندگی میں جو کچھ کر لو گے۔ وہی وہاں کام آئیگا۔ اور یہیں کا جمع کیا ہوا سرمایہ وہاں خرچ ہوگا۔ اگر آج یہاں سے خالی ہاتھ گئے اور اعمال حسنہ ساتھ نہ ہوئے۔ تو وہاں پھر بجز پچتانے کے اور کچھ نہ ہوگا۔

وہاں اعمال ہی کام آئیں گے۔

ہم اور آپ تو چھوٹے درجے کے ہیں۔ وہاں تو بڑوں بڑوں سے اعمال ہی کی پرسش ہوگی۔ اور کسی کی رشتہ داری۔ کسی کی سفارش۔ کسی کی وکالت کسی کی ضمانت وہاں کسی کام نہ آئے گی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ پ۳

آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بداعمال ہونے کے باعث جہنم میں جھونک دیا جائیگا

حضرت نوحؑ اور لوطؑ کی بیبیوں کو کوئی بچانے والا ہو گا۔
حضرت ابراہیم خلیلؑ کے باپ محض اپنے اعمال کی وجہ
سے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم عرض
کریں گے۔ کہ الٰہی! میں نے تجھ سے دعا کی تھی۔ کہ مجھے قیامت
کے دن رسوا نہ کرنا۔ مگر آج میرا باپ جہنم میں جا رہا ہے
اس سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ
تعالیٰ اُن کے باپ کی شکل بدل دیں گے۔ اور فرشتے گھسیٹ
کر اسے جہنم میں لے جائیں گے۔ مگر خلیلؑ کی سفارش پر
اسے رہائی نصیب نہ ہو سکے گی۔ اسی طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ
والتسلیم کے چچا جو رشتہ اور حسب نسب سے حضورؐ کے
چچا ہیں۔ ابولہب اور ابوجہل وہ بھی جہنم میں ہوں گے۔
اور حضورؐ کی رشتہ داری اُن کے کسی کام نہ آئے گی۔
پس معلوم ہُوا۔ کہ وہاں اعمال ہی کی پرسش ہے۔
جس کے عمل اچھے ہوں گے۔ وہ بچ جائے گا۔ اور جس
کے پاس اعمال حسنہ کا سرمایہ نہ ہو گا۔ وہ جہنم رسید
ہو گا۔ سچ ہے۔ کہ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

چھٹا خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ ھُوَ اَعْمٰی ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ۝ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝

ترجمہ :- کیا جو شخص یہ جانتا ہے۔ کہ جو کچھ خدا کی طرف سے آپ پر نازل ہوا۔ وہ حق ہے۔ وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے۔ جو اندھا ہے (یعنی نہیں جانتا نہیں مانتا) حقیقت یہ ہے۔ کہ سمجھتے وہی ہیں۔ جو عقلمند ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ اور اسے توڑتے نہیں۔ اور وہ جو ملاتے ہیں۔ اس چیز کو جسے اللہ نے ملانے کا حکم دیا۔ اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ اور حساب کی سختی سے خائف رہتے ہیں۔

حضرات! خدا تعالیٰ کی اس میں ایک بہت حکمت ہی کہ اس نے دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر رکھی ہے۔ یعنی زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے مختلف لوگوں نے

جدا جدا کام اختیار کر لئے ہیں۔ اور پھر ان مختلف پیشوں اور مختلف کاموں میں باہمی تعاون قائم ہے۔ اور دنیا کا نظام چل رہا ہے۔

پھر دیکھئے کہ ہر شعبہ حیات۔ ہر پیشہ اور ہر کام میں دانشمندی کے معیار مختلف ہیں۔ جو معیار اور اصول ایک جگہ رائج ہے۔ وہ دوسری جگہ نہیں چلتا۔ اور جو اصول دوسری جگہ قائم ہے۔ وہ تیسری جگہ کام نہیں دے سکتا۔

مثلاً فوج میں وہی شخص قابل قدر ہوگا۔ جس کے اعضاء مضبوط و متناسب ہوں۔ قویٰ اچھے ہوں۔ صحت اچھی ہو۔ آواز میں مردانہ رعب ہو۔ چہرہ پر جلال ہو۔ چست و چالاک ہو۔ سستی کاہلی اور جبن سے پاک ہو۔ افسر کا مطیع ہو۔ اور اس کے ہر حکم پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو۔

اسی طرح حکیموں اور ڈاکٹروں میں وہ شخص زیادہ قابل تعریف ہے۔ جو حلیم و بردبار ہو۔ خوش اخلاق ہو۔ شیریں گفتار ہو۔ مریضوں کا ہمدرد ہو۔ ان کی باتیں توجہ سے سنتا ہو۔ نبض شناس ہونے کے علاوہ مزاج شناس بھی ہو۔ ہر مریض کی تسکین کا ملکہ رکھتا ہو۔ اور علاج نہایت توجہ اور محبت سے کرتا ہو۔

بہترین انشاپرداز وہ ہے۔ جو صاحب زبان ہو۔

علم ادب پر کافی عبور رکھتا ہو۔ اس کی تحریر میں روانی ہو۔ نظم و نثر پر یکساں قادر ہو۔ بلا تکلف لکھتا ہو۔ اور ایسا معلوم ہو۔ کہ الفاظ کے موتی پروتا جاتا ہے۔ اور معانی کے دریا بہا رہا ہے۔

طلباء میں سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے۔ جو وقت پر سکول جاتا ہو۔ سبق یاد کرتا ہو۔ خوب محنت سے پڑھتا ہو۔ استاد کا ادب کرتا ہو۔ اور ہر کام نہایت پابندی سے وقت پر سرانجام دیتا ہو اور کوئی ناغہ نہ کرتا ہو۔

دفتری ملازمت میں وہی شخص زیادہ قابل تعریف ہوگا۔ جو اپنے افسروں کو خوش رکھے۔ ماتحتوں سے بحسن سلوک پیش آئے۔ آج کا کام آج ہی ختم کر دے۔ اور کل پر نہ چھوڑے۔ نہ رشوت لے۔ نہ کسی کی حق تلفی کرے۔ اور دیانتداری سے کام کرتا رہے۔

پس جس طرح دنیا کے مختلف شعبوں میں قابلیت اور دانشمندی کے معیار مختلف ہیں۔ اسی طرح اللہ کے ہاں بھی قبولیت کے کچھ معیار ہیں۔ جو ان آیات میں بیان کئے گئے ہیں۔

میں انہی معیاروں کو واضح کرنے کیلئے گذشتہ تمہید کے بعد کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ والوں

کی نظر میں عقلمند اور دانا وہی ہے۔ جو قرآن کو فرمانِ الٰہی مان کر اسے اپنا دستور العمل بناتا ہے۔ اُنہی کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی کے لمحات بسر کرتا ہے۔ اور اس کا خلاف کرنے والا ناعاقبت اندیش اور بیوقوف ہے۔

عقلمند اور بیوقوف میں فرق یہ ہے۔ کہ عقل مند آل اندیش ہوتا ہے۔ اور بیوقوف کی نظر فوری نفع پر ہوتی ہے۔ اور آئندہ پیش آنے والے نتائج پر نظر نہیں کرتا۔ چور کو تم اس لئے بیوقوف کہتے ہو۔ کہ وہ نفع عاجل کا طالب ہوا۔ اور اس نے اپنا مآل نہ سوچا۔ اگر وہ دور اندیش ہوتا۔ تو جیل میں جاکر یہ سختیاں نہ جھیلتا۔ اس نے نفع عاجل پر نظر کی۔ اپنی تنگدستی اور فاقہ مستی سے تنگ آکر چوری کی۔ قفل توڑا اور بہت سا روپیہ لے کر ایک ہی شب میں مالدار ہو گیا۔ اگر وہ محنت مزدوری کرتا۔ تو شائد عمر بھر میں اتنی دولت جمع نہ کر سکتا۔ جو ایک ہی رات میں لے آیا۔ بظاہر تو اُس نے عقلمندی سے کام لیا۔ اور بہت دانائی سے کمایا۔ مگر تم اسے بیوقوف کہتے ہو۔ کیونکہ اس نے چوری کا انجام نہ سوچا۔ ڈور اندیشی نہ کی۔ کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اب سالہا سال جیل میں رہے گا۔ خویش و اقارب سے الگ۔ دوست و احباب سے جدا

نہ دن کو چین نہ رات کو آرام۔ طرح طرح کے عذاب اور اور تکلیف کا وہ سامنا کہ الامان والحفیظ۔

یہ چور محض اپنی غیر مآل اندیشی اور حصول نفع عاجل کے جرم میں بدنام بھی ہوتا ہے اور رسوا بھی۔ سختیاں جھیلتا ہے۔ اور مصیبتیں بھی۔ اب اپنی حالت پر غور کیجئے۔ کہ ہم قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ یوم آخرت کو مانتے ہیں۔ قیامت کے قائل ہیں۔ دنیا کو فانی اور آخرت کو دارالبقا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ بایں ہمہ اکثر ہم میں سے ایسے ہیں جو وہ کچھ کرتے ہیں۔ اسی دنیا کیلئے کرتے ہیں۔ اور عاقبت کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ حالانکہ نجات آخرت کے لئے سرمایہ دنیا ہی سے جمع کر کے جانا ہے۔ کیا یہی عقلمندی ہے؟

حضرات! دنیا کی عقلمندی اور دانشمندی کا مدار تو فقط دنیا تک محدود ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا تعلق تو ازلی ابدی اور سرمدی ہے۔ خدا تعالیٰ سے ہمارا تعلق اس وقت سے ہے۔ جبکہ ہم نیست و نابود تھے۔ پھر جب ہم وجود میں آئے تو اسی کے الطاف اور مہربانی سے پانی خون گوشت پوست کی منزلیں طے کرتے ہوئے عالم طفولیت میں، پھر جوانی اور بڑھاپے میں۔ غرضیکہ وہ کونسی منزل ہے

جس میں ہم اس کے احسانات اور عنایات غیر متناہی کے مورد نہیں رہے۔ پھر اگر آج ہم اس کی اصطلاح میں دانشمند ثابت ہوں۔ تو مرنے کے بعد ابدالآباد تک وہ ہمیں اس دانشمندی اور مآل اندیشی کے صلہ میں بہشت کی ابدی نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔ اور اگر آج ہم نادان اور غیر مآل اندیش ہو جائیں تو پھر دائمی ذلت اور رسوائی اور ابدالآباد کے لئے عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے

اَللّٰھُمَّ اَعِذْنَا مِنْہُ وَجَمِیْعَ الْمُسْلِمِیْنَ

ممکن ہے ایک شخص دنیا میں معزز اور بڑا عقلمند اور دانشمند تصور کیا جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے معاملہ میں اپنی غیر مآل اندیشی کے باعث بیوقوف ہو۔ کیونکہ وہ نجات آخرت کو نظر انداز کرنے کے باعث نیکی کا کوئی سرمایہ جمع نہیں کرتا۔

برادران اسلام!۔ بیوی اس شوہر کو چاہتی اور عقلمند تصور کرتی ہے۔ جو اسے خوش رکھے۔ اسکے مطالبات پورے کرے۔ اس کی ہر ضرورت بر لائے ماں اس بیٹے کو عقلمند اور سمجھدار کہے گی۔ جو اس کی مرضی پر چلے۔ جو کہے وہ مانے۔ اور جو کمائے اسے لا دے۔ دوست اس دوست پر خوش ہوں گے۔ اور

اسی کی تعریف کریں گے۔ جو انہیں کھلاتے پلاتے۔ اور وقت پر کام آئے۔ اس کے علاوہ نہ بیوی خوش ہو سکتی ہے۔ نہ ماں راضی رہ سکتی ہے۔ نہ دوست تعریف کرتی ہیں نہ عقلمند تصور کرتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کی خوشی اور خوشنودی کا یہ معیار مقرر کر دیا گیا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَہْدِ اللّٰہِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ یعنے اللہ تع

انہی لوگوں پر خوش ہوتا ہے۔ جو اس کا عہد پورا کرتے ہیں۔ اور اس عہد الست (اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ) کو نہیں توڑتے۔ اور یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم محض عبادت ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ وہ دنیا جہان کے کام بھی کرتے ہیں چلتے پھرتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ بیوی بچوں میں رہتے ہیں۔ اور یہ سب حقوق و فرائض ادا کرنے کے ساتھ اللہ کی یاد سے بھی غافل نہیں ہوتے۔ جہاں ۲۴ گھنٹہ دوسرے کام کرتے ہیں۔ وہاں چند منٹ عبادت بھی صرف کر دیتے ہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا اللہ تعالیٰ کی مہربانی دیکھئے۔ کہ وہ کسی کی طاقت اور وسعت سے زیادہ اس پر...... بوجھ نہیں ڈالتا۔ اپنی عبادت۔ اور یاد ہم پر فرض کی . . . . دن رات میں صرف پانچ بار یعنی ۲۴ گھنٹہ میں سے صرف ۱/۲ منٹ

اپنے دربار کی حاضری چاہتا ہے۔ کیونکہ ۱۷ رکعتیں ہم پر فرض کیں۔ جو بآسانی ۱۷ منٹ میں ادا ہو سکتی ہیں۔ وہ بھی اکٹھی نہیں۔ بلکہ تین نمازوں میں چار چار رکعتیں۔ اور ایک نماز میں تین رکعتیں۔ اور ایک نماز میں دو رکعت الگ الگ کر کے رکھا تاکہ دربار الٰہی کی حاضری کا مختلف وقتوں میں شرف پائیں۔ اور وقت بھی زیادہ صرف نہ ہو نماز میں صرف وقت کا مطالبہ ہے۔ دولت کا نہیں۔ زر کا نہیں۔ کھانے پینے کا نہیں۔ مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ (طور) فرمایا میں وہ آقا نہیں۔ جو غلاموں سے کہوں۔ میرے لئے کما کر لاؤ۔ اور کھانا تیار کر کے میرے سامنے رکھو۔ اس کی ذات تو ان تخیلات سے بھی بلند اور بالاتر ہے۔ اور اس کی قوت اور قدرت کے سامنے سب کا سر نیچا ہے

اللہ تعالیٰ اپنی عبادت سے ایسے ہی خوش ہیں۔ جیسے تم بسا اوقات اپنی اولاد سے خوش ہوتے ہو۔ دن بھر کے تھکے ماندے۔ دفتروں سے اٹھ کر یا دوکانوں سے فارغ ہو کر یا محنت مزدوری کر کے جب شام کو گھر جاتے ہو۔ تو چھوٹا بچہ ابا ابا کہہ کر ٹانگوں سے لپٹ جاتا ہے۔ تو بس اتنے ہی سے تم خوش ہو جاتے ہو۔ طبیعت میں مسرت

کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ تم اس سے پیار کرتے ہو۔ ہنستے ہو۔ اور سب کچھ بھول جاتے ہو۔

اسی طرح تمہارے اس تھوڑے سے ذکر تھوڑی سی عبادت اور تھوڑی سی نماز سے اللہ تبارک و تعالیٰ تم پر خوش ہو جاتا ہے۔ اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور تمہیں آغوشِ رحمت میں لے لیتا ہے۔ حالانکہ تم نے کوئی بڑا کام نہیں کیا۔ صرف چند منٹ تخلیہ میں اس کو یاد کیا۔ اور اس کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے طریق پر اُس کو یاد کیا صرف زبانی حمد و ثنا کی۔ اپنی غلطیوں۔ کوتاہیوں۔ فروگذاشتوں کا اعتراف کیا۔ اور اس سے مزید عمل کی توفیق مانگی۔ تو وہ تم پر راضی ہو گیا۔ اور تمہاری اس دانائی اور عقلمندی کا بہتر سے بہتر صلہ دینے پر تیار ہو گیا۔

پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو عقل اور ہوشمندی سے کام لیتے ہیں۔ اور مالک و خالق کو راضی کر لیتے ہیں۔ اور بدنصیب ہیں وہ لوگ جو بظاہر تو بڑے ہوشیار۔ مدبر۔ عقلمند اور دُور اندیش معلوم ہوتے ہیں۔ مگر خدا کی یاد سے غافل رہ کر اپنے مالک کو ناراض کر رہے ہیں۔ اور خود ہی اپنے لئے اپنے ہاتھوں گڑھا کھود رہے ہیں۔

اس سے آگے ارشاد ہوا ہے۔ کہ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ۔ یعنی وہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے مستحق ہیں۔ جو آپس میں صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے (اس کی گرفت اور حساب سے ڈرتے ہوئے) انسانی حقوق ادا کرتے ہیں۔ اور اسلامی اخوت قائم رکھتے ہیں

یاد رکھیئے حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کی نگہداشت بھی ہم پر فرض کردی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھتا ہے۔ روزے رکھتا ہے۔ اور بڑا عابد وزاہد ہے۔ مگر اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتا۔ اُن پر ظلم کرتا ہے۔ ان کی حق تلفی کرتا ہے۔ تو اُن کی مثال بالکل اس بیٹے کی طرح ہے۔ جو ماں باپ کا تو بڑا خدمتگار اور اطاعت گذار ہے۔ مگر اپنے بھائیوں سے لڑتا رہتا ہے۔ انہیں مارتا ہے اُن پر جوروستم ڈھاتا ہے۔ اُن سے چیزیں چھین لیتا ہے اور ناحق انہیں ستاتا ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس کی بہن بھائیوں سے یہ بدسلوکی اس کے والدین پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ وہ یقیناً اس سے کبیدہ خاطر ہوں گے۔ بلکہ اس کے اس

ظلم وستم سے سخت ناراض ہوں گے۔

بعینہٖ اللہ تعالیٰ بھی چاہتا ہے۔ کہ جس کا سلوک اس سے اچھا ہو۔ اس کی مخلوق سے بھی اچھا ہو۔ وہ نہیں چاہتا۔ کہ تم اس کی عبادت بجا لاؤ۔ اور اس کی مخلوقات کی حق تلفی کرو۔ اس لئے وصل کا حکم دیا جارہا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہدیا گیا ہے۔ کہ قیامت کے دن اس کے متعلق باز پرس بھی ہوگی۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے سو حصے ہیں۔ ایک حصہ تمام مخلوق میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ اور ۹۹ حصے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ اس ایک حصے کا یہ اثر ہے۔ کہ ماں اپنے بچے پر شفقت کرتی ہی حتٰے کہ سانپ۔ بچھو۔ شیر۔ بھیڑیا وغیرہ درندے بھی جن کی فطرت میں درندگی ہے۔ وہ بھی اپنی اولاد پر شفیق ہوتے ہیں۔

پس جب اس کی رحمت کے صرف ایک حصے کا یہ اثر ہے۔ کہ کوئی ماں اپنے بچوں کی راحت میں کسی کو مخل نہیں دیکھ سکتی۔ اور چاہتی ہے۔ کہ سب اس کے بچوں کے ساتھ ویسے ہی شفقت سے پیش آئیں۔ جیسے وہ خود پیش آتی ہے۔ تو پھر خدائے تبارک و تعالیٰ کیونکر یہ پسند

کر سکتے ہیں۔ کہ ماؤں سے ۹۹ حصہ زیادہ شفیق ہونے کے باوجود اپنی مخلوق اور بالخصوص انسانوں میں جن کے لئے سب مخلوق اور کائنات پیدا کی گئی ہے۔ کسی قسم کی بدسلوکی گوارا کریں۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد ہی پر زیادہ زور دیا ہے۔ فرمایا ہے۔ کہ جس طرح اللہ کی عبادت تم پر فرض ہے۔ اسی طرح صلہ رحمی بھی تم پر فرض کر دی گئی ہے۔ اگر اللہ کی عبادت تو کرو۔ مگر حقوق العباد ادا نہ کرو۔ تو تم جہنم میں جاؤ گے۔

حقوق العباد میں سب سے پہلا درجہ ماں باپ کا ہے۔ اس کے بعد قریبی رشتہ داروں کا درجہ ہے۔ پھر ہمسایوں کا درجہ ہے۔ محلہ داروں۔ شہر والوں۔ دوستوں۔ یاروں اپنوں۔ بیگانوں۔ واقفوں ناواقفوں۔ غرضیکہ ہر ایک کے حقوق اس کے تعلقات کی بنا پر الگ الگ متعین کر دیئے گئے ہیں اور ہر ایک میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ مثلاً والدہ اور بیوی کے تعلقات میں (جن کے حقوق سب سے زیادہ تر ہیں) یہ فرق رکھا ہے۔ کہ اگر بیوی کسی معاملہ میں تم سے ناراض ہو جائے تو ہو جائے۔ مگر والدہ ناراض نہ ہونے پائے۔ کیونکہ بیوی تو دوسری مل سکتی ہے۔ لہٰذا ماں کی ناراضگی مول نہ لیجئے۔

اور ماں کے اس حق کو بیوی کے حق پر ہمیشہ ترجیح دیجئے حکم تو یہی تھا۔ مگر افسوس کہ آجکل نوجوان بیوی کی رضا جوئی کے لئے ماؤں کو نہ صرف ناراض کر دیتے ہیں بلکہ کئی تو گھر سے بھی نکال دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ایسے نادانوں کو سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

پھر اسی طرح جب والد بزرگوار اور دوستوں کے تعلقات ٹکرا جائیں۔ تو آپ کو والد کی طرفداری کرنی ہو گی۔ کیونکہ دوست اور برادری کے بھائی تو اور بھی مل سکیں گے۔ مگر باپ دوسرا نہیں ملے گا۔

باپ اور ماں کے حقوق بیان کرتے ہوئے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ماں کو باپ پر ترجیح دی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ ماں کی خدمت باپ سے تین حصہ زیادہ ہونی چاہیئے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اس باب میں بھی اکثر مسلمان بے راہ روی اختیار کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہیں ماں کا جتنا زیادہ ادب احترام کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ اتنے ہی ماں سے لا پرواہ ہیں۔

اس ضمن میں مجھے ہر ایک کے حقوق الگ الگ بیان کرنا چاہیئے تھے۔ مگر افسوس کہ قلت وقت کیوجہ سے میں زیادہ تفصیلات میں نہیں جا سکتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نیز

آج وہ کون مسلمان ہے ۔ جو حقوق سے آگاہ نہیں ہے۔ میاں بیوی کے حقوق ۔ بہن بھائیوں کے حقوق ۔ اولاد کے حقوق خویش و اقارب کے حقوق ۔ پیرو استاد کے حقوق ۔ ہمسایوں کے حقوق ۔ راعی و رعایا کے حقوق ۔ عام مسلمانوں کے حقوق ۔ سب ہی اسلام نے واضح کر دیئے ہیں ۔ اور کم و بیش آپ لوگ اُن سے آگاہ بھی ہے ۔ مگر جب عمداً اُن سے گریز کیا جائے ۔ اور اُن کی ادائیگی کی پرواہ نہ کی جائے تو پھر اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے ۔

میری دعا ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی رضا جوئی کے لئے اس کی عبادت کریں اور اس کی خوشنودی کے لئے ایک دوسرے کے حق ادا کریں ۔ اور اس خطبہ جمعہ سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

یاد رکھیئے یہ مسجدیں حقیقت میں دارالشفا ہیں ۔ اور ہم سب روحانی مریض ہیں ۔ ہمارا فرض ہے ۔ کہ ہم یہاں آکر شفا حاصل کریں ۔ گناہوں سے تائب ہوں ۔ اپنی فروگذاشتوں کا اعتراف کریں ۔ اور آئندہ کے لئے سچے دل سے عمل کی تیاری کریں ۔ یہ قرآن و حدیث کا وعظ اور ذکر ایسے ہی ہے .. جیسے برسات کے موسم میں بارش ہوتی ہے ۔

تو طرح طرح کے پھول کھل جاتے ہیں۔ سبزہ ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔ ہمارے دلوں۔ دماغوں۔ زبانوں۔ کانوں اور عضو عضو میں جو گناہوں کی سیاہی جمی ہوئی ہے۔ اگر اس ابر رحمت سے دھل جائے۔ تو یقیناً ہمارا ایمان تر و تازہ ہوجائے

خدائے تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو یہ توفیق دے۔ کہ ہم صحیح معنوں میں ذی عقل اور ذی ہوش بن جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کر کے اس کی خوشنودی کا تمغہ حاصل کر لیں۔ آمین ؛ وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؛

ساتواں خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

حضرات! آج ماہ محرم الحرام کی مناسبت سے میں "تعزیہ اور مسلمان" کے زیر عنوان کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

امام حسین رضؓ کے مناقب

ہم اہل السنۃ والجماعت تمام اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ویسی ہی عزت کرتے ہیں۔ اور ان سے سچی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں جس طرح شیعہ صاحبان

ان کے مداح اور ان کی محبت کے دعویدار ہیں۔ چنانچہ عقیدہ اہل السنۃ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ عن سعد بن ابی وقاص رض قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ الآية دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَّ فَاطِمَةَ وَ حَسَنًا وَّ حُسَيْنًا فَقَالَ اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا۔ اور فرمایا اے میرے اہل بیت یہ لوگ ہیں۔

۲۔ عَنْ انسؓ قَالَ لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَقَالَ فِي الْحُسَيْنِ اَيْضًا كَانَ اَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم۔ رواہ البخاری۔

ترجمہ:۔ انسؓ سے روایت ہے، کہ حسنؓ بن علیؓ سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں تھا۔ اور حسینؓ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ بھی سب سے بڑھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

۳۔ عن زید بن ارقم رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِیٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَھُمْ وَسِلْمٌ لِّمَنْ سَالَمَھُمْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ زید بن ارقم سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ سے لڑے گا۔ میری ان سے لڑائی ہے۔ اور جو ان سے صلح کرے گا۔ میری اس سے صلح ہے۔

یہ مناقب مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر سب جمع کئے جائیں۔ تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے

جس طرح ان مناقب سے اہل السنة والجماعة اتفاق رکھتے ہیں۔ اسی طرح اس اندوہناک۔ دردانگیز داستان ظلم وستم یعنی حادثہ شہادت امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی سنیوں کا اتفاق ہے۔ چنانچہ احباب کی اطلاع کے لئے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

واقعات متعلقہ کربلا کی تمہید

حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی میں ان کا بیٹا یزید ولیعہد مقرر ہو چکا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ واقعہ ماہ رجب ۶۰ھ

دمشق میں ہوا۔ یزید نے تمام ملکوں میں اپنے حکام کی طرف فرمان بھیجا۔ کہ میرے حق میں لوگوں سے بیعت لی جائے۔ اسی ضمن میں اس نے مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسین رضؓ سے یزید کے حق میں بیعت لی جائے۔ امام حسین رضؓ نے بیعت نہیں کی۔ کیونکہ یزید فاسق۔ شرابی اور ظالم تھا۔ اس کے بعد امام حسین رضؓ ۴ر شعبان سنہ ۶۰ھ کو مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ اور مکہ معظمہ میں جا کر قیام فرمایا۔

اہل کوفہ کی طرف سے دعوت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا ہوا تھا۔ اس لئے وہاں اہل بیت کے طرفداروں کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے امام حسین رضؓ کو تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لکھے کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیے۔ ہماری جان اور مال آپ کی مدد کیلئے حاضر ہے۔ امام ممدوح نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت لینے کے لئے بھیج دیا۔

مسلم بن عقیل کا کوفہ میں قیام اور بیعت لینا۔

جب مسلم بن عقیل کوفہ میں پہنچے۔ تو مختار بن عبید کے مکان پر ٹھہرے۔ اور امام حسین رضؓ کے لئے بارہ ہزار سے بھی زیادہ آدمیوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب نعمان بن بشیر رضؓ

صحابی جو حاکم کوفہ تھے۔ انہیں اس کا علم ہوا۔ تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا۔ فقط ڈانٹنے پر ہی اکتفا کی۔ اس سے زیادہ کسی کو کچھ نہ کہا۔

مسلم بن یزید حضرمی اور عمارۃ بن الولید بن عقبہ نے یزید کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ اس پر یزید نے نعمان بن بشیر صحابی کو معزول کر دیا۔ اور ان کی جگہ عبیداللہ بن زیاد بصرہ کے حاکم کو معین کر دیا۔

عبیداللہ بن زیاد کا حاکم کوفہ ہو کر آنا

عبیداللہ بن زیاد بصرہ سے کوفہ آیا۔ اور رات کے وقت اہل حجاز کے لباس میں کوفہ میں داخل ہوا۔ تاکہ لوگ دھوکے سے یہ سمجھیں کہ امام حسینؑ تشریف لے آئے ہیں۔ لوگوں نے امام موصوف کا خیال کر کے اس کا استقبال کیا اس کے آگے آگے یہ کہتے ہوئے جا رہے تھے۔ اے رسول اللہ کے بیٹے تمہیں مرحبا ہو۔ عبیداللہ بن زیاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ سرکاری مکان میں داخل ہو گیا۔ صبح لوگوں کو اکٹھا کیا۔ اور اپنی حکومت کی سندہ پڑھ کر سنائی۔ انہیں دھمکی دی۔ اور یزید کی مخالفت سے ڈرایا۔ اور مسلم بن عقیل کی جماعت میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ کے مکان

میں چھپ گئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے محمد بن اشعث کو فوج دیکر ہانیؒ بن عروہ کے مکان پر بھیجا۔ ہانیؒ عروہ اور اہل کوفہ کے تمام سرداروں کو گرفتار کرالیا۔ مسلم بن عقیل کو جب یہ اطلاع پہنچی۔ تو انہوں نے بھی اپنے خیرخواہوں کو جمع کیا۔ ان کے ساتھ چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کے محل کا محاصرہ کرلیا۔ عبیداللہ بن زیاد نے ان قیدی سرداروں سے کہا۔ کہ تم اپنے آدمیوں کو سمجھا دو۔ کہ وہ مسلم بن عقیل کی رفاقت سے باز آجائیں۔ ان لوگوں کے سمجھانے سے چالیس ہزار میں سے فقط پانسو آدمی مسلم بن عقیل کے پاس رہے۔ باقی سب بھاگ گئے حتیٰ کہ مسلم بن عقیل تنہا رہ گئے۔ اب وہ متحیر ہوئے۔ کہ کیا کریں۔ ایک عورت کے گھر میں آئے۔ اس سے پینے کے لئے پانی مانگا۔ اس نے پلایا۔ اور اپنے گھر میں انہیں ٹھہرا لیا۔ اس بڑھیا کا بیٹا محمد بن اشعث (جس کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ جس نے کوفہ کے آدمیوں کو قید کیا تھا) کا دوست تھا۔ اس نے جاکر اشعث سے کہدیا۔ اس نے عبیداللہ بن زیاد کو اطلاع دے دی۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن حریث کوتوال شہر اور محمد بن اشعث کو بھیجا۔ انہوں نے آکر اس بڑھیا کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ محمد بن مسلم تلوار سوت کر

لڑائی کے لئے نکلے۔ محمد بن اشعث نے انہیں امان دیدی۔ اور عبیداللہ بن زیاد کے پاس گرفتار کرکے لے آئے۔ عبیداللہ بن زیاد نے انہیں قتل کر دیا اور ہانی (جس نے مسلم بن عقیل کو پناہ دی تھی) کو سولی پر چڑھا دیا۔ یہ واقعہ ۳ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ کا ہے۔ اسی کے ساتھ ہی عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کے دونوں بیٹے (محمد اور ابراہیم) بھی قتل کر دیئے۔ اور اسی تاریخ امام حسینؓ مکہ معظمہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا کوفہ جانے سے امام حسینؓ کو روکنا

آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو جب اس ارادہ کا علم ہوا۔ تو وہ سخت مضطرب ہوئے۔ یہ سب لوگ کوفہ والوں کی بیوفائی اور غداری سے واقف تھے۔ اور بنی اُمیہ کے خاندان کے مظالم بھی آگاہ تھے۔ سب نے اس سفر کی مخالفت کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا۔ لوگ یہ سن کر بہت پریشان ہیں۔ کہ آپ کوفہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کیا واقعی آپ کا پختہ ارادہ ہے حضرت حسینؓ نے جواب دیا۔ کہ واقعی عنقریب روانہ ہونے والا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنے پہلے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے۔ دشمن کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے۔

اور ملک پر اپنا تسلط جما لیا ہے۔ اب آپ کو نظامِ حکومت کے درست کرنے کے لئے بلا رہے ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے۔ تو پھر بیشک تشریف لے جائیے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے۔ تو ان لوگوں کا آپ کو بلانا جنگ کے لئے بلانا ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکہ نہ دیں۔ اور جب آپ کے دشمن کو طاقتور دیکھیں گے۔ تو پھر اس کے طرف دار ہو کر آپ سے لڑائی کریں گے۔ حضرت حسین رضؓ ان باتوں سے متاثر نہیں ہوئے۔ اور روانگی کے ارادہ پر قائم رہے۔

دوبارہ روکنا

جب حضرت حسین رضؓ بالکل تیار ہو گئے۔ پھر حضرت ابن عباس دوڑتے ہوئے آئے۔ اور منت و سماجت کہا۔ کہ مجھ سے خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں اس سفر میں آپ کی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں۔ عراقی لوگ بڑے دغا باز ہیں اُن کے قریب بھی نہ جائیے۔ اور یہیں مکہ معظمہ میں قیام کیجئے۔ عراق والے اگر آپ کو بلانا بھی چاہتے ہیں۔ تو انہیں کہیئے۔ کہ پہلے دشمن کو اپنے علاقہ سے نکال دیجئے۔ پھر مجھے بلائیے۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں۔ تو پھر یمن چلے جائیے وہاں کے لوگ آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کے خیر خواہ ہیں۔ وہاں آپ اِن دشمنوں کی گرفت سے

بھی باہر ہوں گے۔ وہاں خطوں اور قاصدوں کے ذریعہ سے
اپنی دعوت پھیلایئے گا۔ آپ اس طرح پر یقیناً کامیاب ہونگے
امام حسین رضؓ نے فرمایا۔ کہ میں تو عراق کا ارادہ پختہ کر چکا ہوں۔
ابن عباس نے فرمایا۔ کہ اگر آپ نہیں مانتے۔ تو پھر عورتوں
اور بچّوں کو ساتھ نہ لے جایئے۔ مجھے خطرہ ہے۔ کہ آپ
ان کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر دیئے جائیں۔
جس طرح عثمانؓ بن عفان اپنے گھر والوں کے سامنے قتل
کئے گئے تھے۔ اتنی باتیں پیش ہونے کے باوجود آپ
اپنے ارادہ پر قائم رہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے
لوگوں نے آپ کو سمجھایا۔ لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

امام حسینؓ کے چچیرے بھائی کا خط

آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر نے مدینہ منورہ سے
خط لکھا۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ کہ یہ خط دیکھتے
ہی اپنے ارادہ سے باز آ جایئے۔ کیونکہ اس راہ میں آپکے
لئے ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کے لئے بربادی ہے۔
اگر آپ قتل ہو جائیں گے۔ تو زمین کا نور بجھ جائیگا۔ اسوقت
آپ کا وجود ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امید دل
کا مرکز ہے۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔ میں آتا
ہوں۔

حاکم مدینہ کا خط

عبداللہ بن جعفر نے اس کے علاوہ والیٔ مدینہ منورہ سے بھی خط لکھوایا۔ جس کا مضمون یہ ہے۔ "میں خدا سے دُعا کرتا ہوں۔ کہ آپ کو اس راستہ سے ہٹا دے۔ جس میں ہلاکت ہے۔ اور اس راستہ کی طرف راہنمائی فرمائے۔ جس میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں آپ کے لئے شقاق اور اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں۔ میں عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن سعید کو آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔ ان کے ساتھ واپس چلے آیئے۔ میرے پاس آپ کے لئے امن وسلامتی۔ نیکی۔ احسان اور حسنِ جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے۔ وہی اس کا کفیل نگہبان اور وکیل ہے والسلام"

اس کے بعد آپ اپنے ارادہ پر پختہ رہے۔

فرزدق شاعر سے ملاقات

جب آپ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ تو "صفاح" نام مقام پر اہل بیت کا مشہور محب شاعر آپ سے ملا۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ تمہارے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے۔ فرزدق نے جواب دیا۔ ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا سچ کہتا ہے۔

اب معاملہ اللہ تعالٰے کے ہاتھ میں ہے، وہ جو چاہتا ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ ہمارا پروردگار ہر گھڑی کسی نہ کسی حکم فرمائی میں رہتا ہے۔ اگر اس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہو۔ تو اس کی تعریف کریں گے۔ اور اگر امید کے خلاف ہو۔ تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا۔

مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں کی ضد

زرود نام ایک مقام پر پہنچکر معلوم ہوا۔ کہ یزید کے گورنر کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے مسلم بن عقیل کو علانیہ قتل کر دیا ہے اور کوفیوں میں سے کوئی ٹس سے مس نہیں ہوا۔ امام حسینؓ نے بار بار اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا بعض ساتھیوں نے عرض کی اب بھی وقت ہے۔ ہم آپ کے اور آپ کے اہل بیت کے حق میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ خدا کے لئے یہیں سے لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا ایک بھی طرفدار معلوم نہیں ہوتا۔ امام حسینؓ خاموش ہو گئے۔ اور واپسی پر غور کرنے لگے۔ لیکن مسلم بن عقیل کے عزیزوں نے کہا۔ واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے۔ اور اپنا انتقام لیں گے۔ یا اپنے بھائی کی طرح مرجائیں گے۔ اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں۔

حُر ابن یزید کی ملاقات

قادسیہ سے جونہی آگے بڑھے۔ اور کوفہ سے دو منزل پر جا پہنچے۔ تو حر ابن یزید عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے ایک ہزار ہتھیار بند فوج لے کر آملا۔ اور ساتھ ہو لیا۔ اس نے امام حسینؓ سے کہا۔ کہ عبید اللہ ابن زیاد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے۔ کہ میں آپ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپ کو اس کے پاس لے چلوں۔ اور میں خدا کی قسم مجبور ہوں۔ امام حسینؓ نے فرمایا۔ کہ خود کوفہ کی طرف نہیں آیا یہاں تک کہ مجھے کوفہ والوں کے بہت سے خطوط پہنچے ہیں۔ اور میرے پاس اُن کے بہت سے قاصد آئے ہیں۔ اور تم کوفے کے رہنے والے ہو۔ اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو۔ تو میں تمہارے شہر میں جاؤں گا۔ ورنہ لوٹ کر چلا جاؤں گا۔ اس پر حُر نے کہا۔ آپ کن خطوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں۔ امام حسینؓ نے عقبہ بن سلام کو حکم دیا۔ کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے۔ جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس پر حُر نے کہا۔ لیکن ہم وہ نہیں۔ جنہوں نے یہ خط لکھے تھے۔ ہمیں تو یہ حکم ملا ہے۔ کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔ امام حسینؓ نے فرمایا کہ یہ موت سے پہلے

ناممکن ہے۔ پھر آپ نے روانگی کا حکم دیا۔ لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم کیا چاہتے ہو۔ حرؒ نے جواب دیا۔ میں آپ کو عبیداللہ ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا۔ واللہ میں تیرے ساتھ نہیں چلوں گا۔ اس نے کہا۔ واللہ میں بھی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑونگا۔ جب گفتگو زیادہ بڑھی۔ تو حرؒ نے کہا۔ کہ مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے مجھے صرف یہ حکم ملا ہے۔ کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے۔ تو ایسا راستہ اختیار کیجئے۔ جو نہ کوفہ جاتا ہو۔ نہ مدینہ۔ بات زیادہ لمبی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ امام حسینؓ کوفہ کے راستہ سے ہٹ گئے۔

میدان کربلا میں قیام

اور میدانِ کربلا میں ۲ محرم ۶۱ھ کو جا اُترے۔ جب اس میدان میں اترے۔ تو اس کا نام دریافت فرمایا معلوم ہوا۔ کہ اس کا نام کربلا ہے۔ تب آپ نے فرمایا هٰذَا مَوْضِعُ كَرْبٍ وَّبَلَاءٍ یعنے یہ تکلیف اور ہلاکت کی جگہ ہے۔ یہ مقام پانی سے دُور تھا۔ دریا میں اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر ابن سعد ابن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ عبیداللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا۔ عمر کی خواہش تھی۔ کہ کسی طرح اس آزمائش میں نہ آئے۔ اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اس نے آتے ہی امام حسینؓ کے پاس قاصد بھیجا۔ اور دریافت کیا۔ آپ کیوں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے وہی جواب دیا۔ جو حُر ابن یزید کو دے چکے تھے۔ یعنی تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وہ ناپسند کرتے ہیں۔ تو میں لوٹ جانے کو تیار ہوں۔

عبیداللہ ابن زیاد کا بیعت کیلئے اصرار

عمر ابن سعد کو امام ممدوح کے اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی۔ کہ یہ مصیبت ٹل جائے گی۔ اس نے فوراً عبیداللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ عبیداللہ بن زیاد نے جواب دیا۔ کہ حسینؓ کو کہو۔ کہ پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید ابن معاویہ کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے۔ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ حسینؓ اور اس کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا ایک قطرہ بھی پینے نہ پائیں۔ جس طرح عثمانؓ ابن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔ جب امام حسینؓ کے پاس وہ خط آیا۔ آپ نے اسے پڑھا۔ اور پھینک دیا۔ اور قاصد سے فرمایا۔ کہ میرے پاس اس

کا کوئی جواب نہیں ہے۔ وہ قاصد لوٹ کر عبیداللہ بن زیاد کے پاس گیا۔ اس جواب سے اس کا غصہ اور بھڑکا۔ اس نے لوگوں کو جمع کیا۔ اور فوجیں تیار کیں اور ان کا سپہ سالار عمر ابن سعد کو بنایا۔ جو رَیّ کا حاکم تھا۔ اس نے امام حسینؓ کے مقابلے میں لڑنے سے پہلو تہی کی۔ تب عبیداللہ ابن زیاد نے اس سے کہا۔ یا تو لڑنے کو جا۔ یا رَیّ کی حکومت سے دست بردار ہو جا۔ اور اپنے گھر جا بیٹھ۔ عمر ابن سعد نے رَیّ کی حکومت کو ترجیح دی۔ اور امام حسینؓ سے لڑائی کے لئے فوجوں سمیت چل نکلا۔ عبیداللہ ابن زیاد ایک ایک سردار کی معیت میں تھوڑا تھوڑا لشکر جمع کر کے بھیجتا رہا یہاں تک کہ عمر ابن سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادے جمع ہو گئے۔ اور دریائے فرات کے کنارے پر جا اُترے۔ اور امام حسینؓ اور پانی کے درمیان روکاوٹ کر دی۔

عمر ابن سعد کے لشکر میں زیادہ تر وہی لوگ تھے۔ جنہوں نے امام حسینؓ سے خط و کتابت کی تھی۔ اور اُن سے مسلم بن عقیل کے ذریعہ سے بیعت بھی کر چکے تھے۔ جب امام حسینؓ کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ لوگ ان سے لڑائی کرنا چاہتے ہیں۔ تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ کہ اپنے لشکر کے گرد ایک خندق کھودیں اور ایک ہی دروازہ اس خندق کا رکھا۔ تاکہ اس دروازے سے نکل کر لڑ سکیں۔

نماز عصر کے بعد عمر ابن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب لشکر قریب پہنچا۔ تو انہوں نے امام حسینؓ کو نرغے میں لے لیا۔ اور لڑائی شروع کر دی۔ امام حسینؓ کے ساتھیوں میں ایک ایک کر کے قتل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے تقریباً پچاس آدمی قتل ہو گئے۔ اسوقت امام حسینؓ نے چیخ کر فرمایا۔ آیا کوئی خدا واسطے فریادرس ہے۔ آیا کوئی رسول اللہ کے حرم کو بچانے والا ہے۔ یہ سن کر حُر ابن یزید (جس کا پہلے ذکر آچکا ہے) اپنے گھوڑے پر امام حسینؓ کی طرف آیا۔ اور آکر کہا۔ اے رسول اللہ کے بیٹے سب سے پہلے میں ہی تیرے ساتھ لڑنے کے لئے آیا تھا۔ اور اب میں ہی تیری جماعت میں آگیا ہوں۔ تاکہ میں تیری ہی مدد میں قتل کیا جاؤں۔ شاید کہ کل کو تیرے نانا کی شفاعت نصیب ہو۔ اس کے بعد اس نے عمر ابن سعد کے لشکر پر حملہ کیا۔ اور اس وقت تک لڑتا رہا۔ جب تک کہ شہید نہیں کیا گیا۔ اور اس کے ساتھ اس کا بھائی۔ بیٹا اور غلام بھی شہید ہو گئے پھر اس قدر سخت لڑائی ہوئی۔ کہ امام حسینؓ کے سارے ساتھی شہید ہو گئے۔ اس کے بعد امام موصوف ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر تنہا مقابلے کے لئے میدان میں آئے۔ اور دشمنوں سے لڑتے رہے۔ اور جو شخص بھی آپ کی طرف آیا۔ اسے قتل کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

اور آپ کو ان زخموں اور تیروں نے چور چور کر ڈالا۔ جو ہر طرف سے آ رہے تھے۔ اس وقت شمر ذی الجوشن اپنی فوج سمیت آگے بڑھا۔ امام حسینؓ اور اُن کے اہل بیت کے خیموں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔ امام حسینؓ نے للکار کر فرمایا۔ اے شیطان کی جماعت میں تم سے لڑتا ہوں۔ تم مستورات کو کیوں چھیڑتے ہو۔ کیونکہ وہ تو تم سے نہیں لڑ رہیں۔ تب شمر نے اپنی فوج سے کہا۔ عورتوں سے باز آ جاؤ۔ اور اسی شخص کا مقابلہ کرو۔ پھر سب نے امام حسینؓ پر تیروں اور نیزوں سے حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ امام حسین رضؓ زمین پر شہید ہو کر گر گرے۔ اور نصر ابن خرشہ آپ کا سر کاٹنے لگا۔ اس سے نہیں کاٹا گیا۔ تو خولی ابن یزید گھوڑے سے اترا۔ اور اس نے آپ کا سر مبارک کاٹ لیا۔ بعض روایتوں میں ہے۔ کہ شمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کم بختو! اس کے متعلق اب کیا انتظار کرتے ہو۔ حالانکہ اسے زخموں نے چور کر دیا ہے۔ اس کے اتنے کہنے پر امام حسینؓ پر تیر اور نیزے برسنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک بد بخت کا تیر آپ کے گلے سے پار ہو گیا۔ اور آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ اور اسی حالت میں شمر نے آپ کے چہرے مبارک پر تلوار ماری۔ اور سنان ابن انس رضؓ نے نیزہ مارا۔ اور خولی ابن یزید آپ کا سر کاٹنے لگا۔ تو اس کے ہاتھ کانپ گئے۔ پھر اس کے بھائی شبل ابن یزید آپ کا سر کاٹنے لگا۔ تو اس

کے ہاتھ کانپ گئے۔ پھر اس کے بھائی شبل ابن یزید نے اتر کر آپ کا سر کاٹا۔ پھر یہ لوگ اہل بیت کے خیمے میں گئے۔ وہاں سے بارہ لڑکے بنی ہاشم کے قید کئے۔ اور جتنی عورتیں تھیں۔ ان کو بھی قید کر لیا۔ عمر ابن سعد اور شمر نے لوگوں کو حکم دیا۔ اور ان سنگدلوں نے امام حسینؓ کی لاش کو گھوڑوں کے سموں سے لتاڑا اور آپ کے سر مبارک کو بشیر ابن مالک اور خولی ابن یزید کی معیت میں عبید اللہ ابن زیاد کی طرف بھیج دیا۔

واقعہ کربلا کا رنج والم

ہر کلمہ گو کو خواہ وہ شیعہ ہو یا سنی اس وحشتناک اور دردانگیز واقعہ سے بے انتہا رنج والم ہے۔ کوئی نہیں۔ جو امام حسینؓ کی مظلومیت سے مغموم نہ ہو۔ اور اس کا دل ان مظالم کو سن کر مضطرب اور پریشان نہ ہو تقریباً تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود اس اندوہناک دردانگیز مصیبت خیز۔ پریشان کن دل ہلا دینے والے واقعہ کو بھولنے نہیں پائے۔ شیعہ صاحبان کے علاوہ سنیوں کی کتابیں بھی اس خونی واقعہ کی یاد تازہ اپنے سینوں میں رکھتی ہیں۔ اور ہر پڑھنے والے کے دل کو ماتم کدہ بنا دیتی ہیں۔

اظہارِ غم کے طریقے میں فرق

اہل السنت والجماعت ان دردناک واقعات کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے کے باوجود ایک بہادر ذی وقار صاحب عزم

انسان کی طرح متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے اور یزید جیسی طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں امام حسینؓ اسکی قوت ہمت اور ہدایت کی آواز اٹھا کر سنتِ حسینؓ کی یاد تازہ رکھتے ہیں تا کہ امام حسینؓ کے متبعین اور نام لینے والوں میں روحِ حسینیؓ کے نظارے ہمیشہ طاغوتی طاقتوں کے سامنے نظر آتے رہیں۔ بخلاف شیعہ صاحبان کے کہ وہ اس رنج والم کا اظہار کرنے کے لئے دامنِ شریعت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ فخرِ دو عالم سید المرسلین کی سنت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور اظہارِ غم کے لئے دسویں محرم کو وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جس میں بہت ساری چیزیں ناجائز بلکہ حرام ہوتی ہیں جن سے مسلمانوں کے عقائد فاسد ہوتے ہیں۔ اخلاق کی تباہی کا موجب بنتی ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اہل السنت والجماعت کے علاوہ مقتدر مقتدایان شیعہ صاحبان بھی عوام الناس کے اس طریق کار کے سخت مخالف ہیں۔ دو نو جماعتوں کے راہنما ان چیزوں کو نہ صحیح سمجھتے ہیں، نہ مفید سمجھتے ہیں۔ چنانچہ دونو جماعتوں کے رہنماؤں کے فتاویٰ ذیل میں درج ہوں گے۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیعہ صاحبان میں کمزور طبیعت کے رہنما اپنے مفاد دنیا کی خاطر حق کو چھپاتے ہیں۔ اور عوام الناس کے طعن و تشنیع سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ اور مفاد دنیا کی خاطر نتائج اخروی کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اور عوام الناس میں اشاعت حق کرنے سے

جی چراتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ

تعزیہ داری کے متعلق علماء اہل السنّت کا فیصلہ

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فتاویٰ عزیزی مطبوعہ مطبع مجتبائی ماہ شوال ۱۳۱۱ھ کے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ تعزیہ داری جو مبتدعین کرتے ہیں۔ بدعت ہے۔ اور بدعت سیئہ ہے۔ اور بدعت سیئہ مبتدع کو خدا کی لعنت میں گرفتار کر دیتی ہے اور اس کے فرائض اور نوافل بھی درگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہوتے۔ انتہیٰ ملخصًا۔

اسی فتاویٰ کے صفحہ ۷۳ میں تحریر فرماتے ہیں

سوال۔ مرثیہ خوانی کی مجلس میں زیارت اور گریہ زاری کی نیت سے حاضر ہونا۔ اور اس جگہ مرثیہ اور کتاب سننا اور اور فاتحہ اور درود پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

جواب:۔ اس مجلس میں زیارت اور گریہ زاری کی نیت سے جانا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ وہاں کوئی زیارت نہیں ہے جس کے واسطے آدمی جائے اور یہ لکڑیاں تعزیے کی جو بنائی گئی ہیں۔ یہ زیارت کے قابل نہیں۔ بلکہ مٹانے کے قابل ہیں۔

اسی فتاوے کے صفحہ ۱۵۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔

سوال:۔ تعزیہ کے تابوت کی زیارت کرنا۔ اور اس پر فاتحہ پڑھنا۔ اور مرثیہ پڑھنا اور کتاب شفا اور فریاد کرنا اور رونا اور سینہ کوبی کرنا اور امام حسین رضؓ کے ماتم میں اپنے آپ کو زخمی کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ یہ سب چیزیں ناجائز ہیں۔

خلاصۂ فتاوئے اہل السنت } مذکورۃ الصدر فتاوی سے مندرجہ ذیل چیزیں صاف اور ظاہر ہیں

۱۔ تعزیہ بدعت سیئہ ہے

۲۔ مرثیہ خوانی۔ ۳۔ اور اس مجلس میں زیارت اور گریہ وزاری کی نیت سے جانا بھی ناجائز ہے۔ ۴۔ اور سینہ کوبی کرنا اور امام حسین رضؓ کا ماتم کرنا اور اپنے آپ کو زخمی کرنا یہ سب چیزیں شرعاً ناجائز ہیں۔

ماتم اور نوحہ کی ممانعت

جہاں تک ماتم کا تعلق دل اور آنکھوں سے ہے۔ ممنوع نہیں، مگر جب زبان اور ہاتھ سے اظہار کیا جائے۔ تو حرام ہے، مندرجہ ذیل احادیث سنی اور شیعہ اور اقوال ائمہ ملاحظہ ہوں۔

پہلی حدیث:۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے،

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیس منا من
ضرب الخد وذو شق الجیوب ودعا بدعوے
الجاھلیۃ (متفق علیہ) ترجمہ:۔ وہ شخص اسلامی جماعت
سے خارج ہے۔ جس نے ماتم میں رخساروں پر ہاتھ مارے
گریبان پھاڑے۔ اور جاہلیت کے سے بَین منہ سے نکالے

دوسری حدیث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے۔

انہ مہما کان من العین ومن القلب فمن اللہ
عزوجل ومن الرحمہ ومن کان من الید ومن اللسان
فمن الشیطان (رواہ رحمۃ مشکوٰۃ صـ۱۴۲) ترجمہ: یعنی جو ماتم آنکھ
اور دل سے ہو وہ جائز ہے۔ اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو
وہ شیطانی فعل ہے۔

تیسری حدیث:۔ لعن رسول صلی اللہ علیہ
وسلم النائحۃ والمستمعۃ (مشکوٰۃ شریف) ترجمہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور نوحہ
سننے والی پر لعنت کی ہے۔

نتیجہ

مذکورۃ الصدر احادیث میں جن چیزوں کی ممانعت کی گئی
ہے۔ اور جن کو شیطانی فعل کہا گیا ہے۔ اور جن کاموں

کے کرنے پر لعنت نازل ہوتی ہے۔ محرم کے ماتمی جلوسوں میں یہ سب کام کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ ایسے جلوسوں میں ہرگز شریک نہ ہوں۔ ورنہ اللہ تعالےٰ کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔ وما علینا الا البلاغ۔

انہی چیزوں کے حرام ہونے پر شیعہ صاحبان کی روایات ملاحظہ ہوں۔

پہلی:۔ ابن بابویہ نے سند معتبر حضرت امام محمد باقر رض سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت حضرت فاطمہ رض سے فرمایا۔ کہ جب میں وفات پاؤں۔ تو میری وفات پر اپنے بال نہ نوچنا اور واویلا نہ کرنا۔ اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا۔

(جلاء العیون ص۶۵ و فروع کافی جلد دوئم ص۲۱۴)

دوسری:۔ ملا باقر مجلسی جلاء العیون ص۶۹ میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ جب ابوبکر رض نے غسل وکفن وغیرہ کے متعلق اہل بیت کے سامنے رسول اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب فرشتے مجھ پر نماز پڑھ چکیں۔ اس وقت تم فوج در فوج اس گھر میں آنا۔ اور مجھ پر صلوٰۃ بھیجنا اور سلام کرنا۔ اور مجھے نالہ وفریاد۔ گریہ زاری سے آزار نہ دینا۔ پھر فرمایا۔ اٹھ جاؤ۔ اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے۔ اس سے اور لوگوں کو مطلع کرو۔

مسلمانوں کا فرض

جب مرثیہ خوانی کی مجلسیں اور ماتمی جلوس خلاف شرع ہیں فقط اہل السنۃ ہی نہیں۔ بلکہ شیعہ کے رہنمایانِ مذہبی بھی ان کے شرعاً مخالف ہیں۔ تو اہل السنۃ والجماعت کا فرض ہے کہ وہ ان مجالس میں جانے اور جلوس تعزیہ میں شریک ہونے سے پرہیز کریں۔ ورنہ شرکت کے باعث خواہ وہ تماشا بینی کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ غضب الٰہی کے موردِ اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

بالخصوص:۔ جب کہ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تریں جانشینوں یعنی سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ اور عمر ابن خطابؓ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ان کو غاصب قرار دیتے ہیں۔ اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں اور ان کو کافر کہتے ہیں۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے ہر غیرت مند سچے مسلمان کا فرض ہے۔ کہ وہ شیعہ کی مجالس مرثیہ میں شرکت سے پرہیز کرے۔ اور ان کے تعزیوں کے جلوس میں شامل ہونے نہ پائے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی مجالس کی رونق افزائی بجائے خود ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے۔ خود اس سے بچیں۔ اور اپنے اہل وعیال کو بچائیں۔ وما علینا الا البلاغ ؛۔

شیعہ صاحبان کے علماء اور رؤسا کا شریک نہ ہونا اگر ماتمی جلوس ایسے ہی موجب ثواب اور باعث رحمت اور امام حسینؓ کے سچے غم اور بیقراری دل کے صحیح اظہار کا ذریعہ ہیں۔ تو پھر شیعہ صاحبان کے علما اور رؤسا کیوں اس مبارک رسم میں شریک نہیں ہوتے۔ اور کیوں سینہ کوبی سر بازار جلوس میں شامل ہو کر نہیں کرتے۔

چنانچہ دار السلطنت پنجاب لاہور میں ہمیشہ یہی دیکھا جاتا ہے کہ سینہ کوبی کرنے والے صرف نچلے طبقے کے لوگ ہوتے ہیں یا اس میں چند بازاری عورتیں سیاہ لباس میں ملبوس ہائے ہائے حسینؓ ہائے حسینؓ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور اس جلوس کے ساتھ عام جہال بطور تماشا بینی کے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور جلوس کی رونق دوبالا ہو جاتی ہے۔

عبرت:۔ اہل عقل اس تحریر کا سبق سے خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ ان میں کہاں تک خیر و برکت آسکتی ہے۔ اور خود شیعہ صاحبان کے ہاں ان کی کیا حقیقت ہے۔

شیعہ کی تفاسیر سے نوحہ کی ممانعت

شیعہ کی تفسیر عمدۃ البیان جلد سوم صہ ۲۴ میں تحریر ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالی تین آوازوں کو ناپسند کرتا ہے۔ گدھے کی آواز۔ کتے کی آواز۔ نوحہ گر

عورت کی آواز۔

شیعہ کی اسی تفسیر کے ص۳۹۲ میں لکھا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے۔ تو دوسری شرطوں کے علاوہ یہ شرطیں بھی ہوتی تھیں۔ نوحہ نہ کرنا کپڑے نہ پھاڑنا۔ سر کے بال نہ نوچنا۔ اور اپنا منہ نہ نوچنا وغیرہ وغیرہ

سیاہ ماتمی لباس کے خلاف علمائے شیعہ کے فتاوے

کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" باب مایصلی فیہ میں تحریر ہے۔ کہ سئل الصادق عن الصلوٰۃ تلبس السوداء فقال لا یصلی فیھا فانھا لباس اھل النار فقال امیرالمومنین علم اصحابہ لاتلبسوا السواد عنہ فانھا لباس فرعون ترجمہ۔ امام صادق سے سوال کیا گیا۔ کہ عورتیں سیاہ کپڑے پہن کر نماز پڑھیں۔ فرمایا۔ کہ سیاہ کپڑے پہن نماز نہیں ہوتی کیونکہ سیاہ کپڑے دوزخیوں کا لباس ہیں اور امیرالمومنین نے اصحاب کو سکھلایا۔ کہ سیاہ لباس نہ پہنو کیونکہ سیاہ پوشی فرعون کا لباس ہے۔ (ابرالدجی ص۲۴۲)

جامع عباسی پانزدہ بابی جو فقہ مذہب اثنا عشری کی مستند کتاب ہے جس کے مصنف ملا بہاؤالدین عاملی ہیں۔ اور شیعوں کے مطبع یوسفی دہلی کی مطبوعہ ہے۔ اس کے صفحہ ۲۱۶/۲۱۷ میں تحریر کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ

نے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی۔ کہ مومنوں سے کہدے۔ کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں۔ یعنی سیاہ کپڑے۔

فروع کافی جلد ۲ جزو ثانی صہ ۳۴ میں بھی سیاہ لباس کو ملبوس ناریاں بتایا گیا ہے۔

(خاموش نوحہ خواں ع ۲ صہ ۱)

نتیجہ :۔ ان حوالہ جات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ صاحبان جو سیاہ لباس پہن کر ماتمی نشان بناتے ہیں۔ یہ اُن کے اپنے مقتدایان مذہبی کے فیصلہ کے بھی سراسر خلاف ہے۔ جب شیعہ کے ہاں بھی یہ چیز حرام ہے۔ تو سنی مسلمان کا فرض ہے۔ کہ اس قبیح رسم سے بچیں۔ اور اس مضحکہ خیز ظاہر داری کے ماتم سے بچکر امام حسین رض کی طرح سچا۔ غیور۔ بہادر۔ جانباز اور جان نثار مجاہد اور غازی بننے کی فکر کریں۔

حاصل یہ ہے کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ ائمہ اہلبیت کے سچے محب اور پکے خیر خواہ ہیں۔ ان سے عقیدت ہمارا ایمان ہے۔ ان کی راحت سے فرحت اور ان کی تکلیف سے صدمہ ہمارے دلوں کے تاثرات ہیں۔ ہم ان کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی سعادت خیال کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ سچی محبت اور صحیح عقیدت ہیں ہم شیعہ صاحبان

سے کم نہیں ہیں۔ البتہ یہ عرض کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے کہ عشرۂ محرم کی تمام بدعات جو شیعہ میں مروج ہیں۔ جن کی تفصیل اس مضمون میں آچکی ہے۔ ان کے ہم سخت مخالف ہیں۔ سنی مسلمانوں کو ان سے روکنا ہمارا فرض ہے۔ بلکہ دعا کرتے ہیں۔ کہ جس طرح ہم محبت اور عقیدت میں شیعہ صاحبان سے برابری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالےٰ توفیق دے۔ کہ ائمہ اہل بیت کے نقش قدم پر عملی طور پر چلنے میں سنیوں کے دوش بدوش نظر آئیں۔ سب و شتم۔ طعن و تشنیع۔ تعزیہ۔ نوحہ خوانی۔ ماتمی لباسوں سے باز آئیں۔ حق کے حامی اور باطل کے دشمن نظر آئیں۔ اسلام محمدی کے پیروکار اور بدعات مخترعہ سے مجتنب ہو جائیں۔ آمین۔ یا الٰہ العالمین۔ جب شیعہ اور سنی دونوں ایک سٹیج پر آکھڑے ہوں۔ تو اس اتفاق کی برکت سے دیکھئے کہ اسلام کو کس طرح نفع اور عروج حاصل ہو سکتا ہے۔ ؎ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

ماتم اور تعزیہ کی تاریخ

واضح ہو کہ لغت میں تعزیت نام ہے۔ مصیبت زدہ کو تلقین صبر کرنے کا۔ چونکہ کسی کا مرنا بھی اس کے ورثاء کے لئے بظاہر ایک سخت مصیبت اور باعث سخت رنج و غم ہے لہذا ان کے تلقین صبر کرنے کو بھی تعزیت کہتے ہیں۔ بلکہ عرفاً

غالب اطلاق اسی پر ہونے لگا۔ شریعت میں بھی اس کے یہی معنی ہیں۔ اور کسی کے مرنے پر صرف تین دن تک تعزیت کرنی جائز ہے۔ (تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ ہاں اگر تعزیت کنندہ یا میت کے اعزا سفر میں ہوں۔ اور تین روز کے بعد آئیں۔ تو ان کے لئے مکروہ نہیں ہے۔ جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر چکا ہو۔ اس کو پھر دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے حدیث شریف میں تعزیت کے لئے یہ کہنا منقول ہے:-

اعظم اللہ اجرك واحسن جزاءك وغفر لميتك

یعنی اللہ تعالیٰ تیرا اجر زیادہ کرے۔ اور تجھے اچھا صبر عطا فرمائے اور تیری میت کو بخش دے۔) جس میں نہ رونا ہے نہ پیٹنا نہ چیخنا ہے نہ چلانا نہ کپڑے پھاڑنا اور نہ گریبان چاک کرنا ہے نہ بال نوچنا اور نہ پریشان ہونا نہ سینہ کوبی ہے نہ زانو اور رخساروں پر ہاتھ مارنا نہ اجتماع و اہتمام اور جزع فزع کی ضرورت ہے۔ نہ میت کے مدح و ذم کے بیان کی حاجت۔ جیسا کہ عوام کالانعام میں کسی کے مرنے پر عموماً دیکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب خرافات اور ناجائز کام آج جس تعزیہ میں ہوتے ہیں۔ وہ محرم کا تعزیہ ہے۔ اور اس مختصر تقریر میں زیر بحث یہی لفظ تعزیہ ہے۔ جس کو لغتہً عرفاً شرعاً کسی طرح بھی تعزیت کہنا صحیح نہیں۔ مذہباً اس کے عدم جواز کی بحث تو میرے اشتہار

محرم الحرام اور رسالہ حرمت تعزیہ میں دیکھنی چاہیئے۔ اسوقت سنیوں کو متنبہ کرنے کے لئے مؤرخانہ طور پر مجملاً صرف یہ عرض کرنا ہے۔ کہ ہر سال شروع ماہ محرم میں جس تعزیہ کی بدولت بوجہ نادانی و جہالت لاکھوں سنی عملاً شیعہ ہو جاتے ہیں۔ وہ حسب کتب شیعہ اہل سنت کی نہیں۔ بلکہ یزید اور دشمنانِ آلِ رسول کی ایجاد ہے۔ اس تعزیہ کی روح امام حسین رض شہید کربلا پر نالہ و ماتم اور نوحہ و شیون کرنا ہے۔ اور اس کا جسم روضۂ امام حسین رض واقعہ کربلا کی وہ نقل ہے۔ جو بانس اور کاغذ وغیرہ کا بنا کر بنام تعزیہ باجہ ماتم اور مرثیہ کے ساتھ سالانہ محرم میں نکالی جاتی ہے جس کے ساتھ ہمیشہ مختلف مقام پر اور بھی بہت سی رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ اور آئے دن نئی چیزیں نکلتی رہتی ہیں۔

ماتم کی تاریخ:- یعنی نوحہ و ماتم۔ نالہ و شیون پر امام حسین رض کی ابتدا دنیا میں جس نے سب سے پہلے کی وہ بقول شیعہ یزید ہے۔ جو اُن کے خیال کے مطابق اوّل درجہ کا دشمن اہلبیت اور قاتل حسین رض تھا۔ چنانچہ :-

ا:- ملا باقر مجلسی مجتہد شیعہ لکھتے ہیں۔ کہ جب اہلبیت حسین رض کا قافلہ کوفہ سے دمشق میں آیا۔ اور دربار یزید میں پیش ہوا۔ تو یزید کی زوجہ ہند دختر عبداللہ بن عامر بیتاب ہو کر

بے پردہ دربار یزید میں چلی آئی - یزید نے دوڑ کر اس کے سر پر کپڑا ڈال دیا - اور کہا -

" اے ہند نوحہ زاری بکن بر فرزند رسول خداؑ و بزرگ قریش کہ ابن زیاد لعین در امر او تعجیل کرد من راضی بکشتن او نبودم - (جلاء العیون ص۲۵) یعنی اے ہند تو فرزند رسول خداؑ و بزرگ قریش پر نوحہ و زاری نہ کر - کہ ابن زیاد لعین نے ان کے معاملہ میں جلدی کی اور میں اُن کے قتل پر راضی نہ تھا -

۲ - جب اہل بیت حسین رضؓ یزید کے محل میں داخل ہوئے تو اہل بیت یزید نے زیور اتار کر لباس ماتم پہنا - صدائے نوحہ و گریہ بلند کی اور یزید کے گھر میں تین روز برابر ماتم رہا (ایضاً ص۴۲)

۳ - صاحب خلاصۃ المصائب فرماتے ہیں - کہ جب حرم محترم پیش یزید لائے گئے - تو کان بیدہ مندیل فجعل یمسح دموعہ فامرھم ان یحولن الی ھند بنت عامر فادخلن عندھا فسمع من داخل القصر بکاءً وندائً و ویلا - (ص۲۶) یزید کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے اپنے آنسو پونچھتا تھا - پس اس نے حکم دیا کہ ان کو میرے محل میں ہند بنت عامر کے پاس لے جاؤ جب یہ ان کے پاس پہنچائی گئیں - تو داخل ہونے پر

صدائے گریہ وزاری بلند ہوئی۔ جو باہر سنائی دیتی تھی۔
۴۔ صاحب ناسخ التواریخ نے صفحہ ۲۰ میں اور صاحب نہج البلاغہ صفحہ ۳۴۷ میں بھی کم وبیش اس ماتم کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ امام حسین رضہ پر نوحہ و ماتم اور نالہ و شیون کا یہ پہلا دن تھا۔ جو بحکم یزید خود اہلبیت یزید نے اہتمام سے کیا۔ پھر جب یزید نے چند اہل بیت حسین رضہ کو بعزت و حرمت اپنے پاس شام میں رہنے یا مدینہ جانے کا اختیار دیا۔ تو انہوں نے ماتم برپا کرنے کی اجازت چاہی۔ جو دی گئی اور شام میں جس قدر قریش و بنو ہاشم تھے۔ سب شریک ماتم و نوحہ ہوئے۔ اور یہ گریہ وزاری ایک ہفتہ تک جاری رہی۔ ازاں بعد یزید نے بآرام تمام ان کو جانب مدینہ روانہ کیا۔ (جلاء العیون صفحہ ۵۳۰ و منہج صفحہ ۳۴۵) شام میں یہ دوسرا ماتم تھا۔ جو امام حسینؓ پر باجازتِ یزید اہتمام سے ہوا۔ یزید کے بعد دوسرا شخص مختار ثقفی شیعہ تھا۔ جس نے کوفہ میں سب سے پہلے خاص عاشورہ محرم کیلئے اس رسمِ بد کی بنا ڈالی۔ بلکہ اور اضافہ کیا۔ یہ شخص شیعہ بھی تھا۔ اور دشمن اہل بیت بھی۔ جس کا مفصل ثبوت میرے رسالہ قاتلانِ حسینؓ میں دیکھنا چاہیئے۔ اس دشمنِ آل رسول نے قبولیت عامہ حاصل کرنے کے لئے ... علانیہ کوفہ میں رسم ماتم عاشورہ

ایجاد کردہ یزید کو جاری کیا۔ اور بنام تابوت سکینہ جناب امیرؓ کی کرسی کی پرستش شروع کی۔ حالانکہ وہ کرسی جناب امیرؓ کی نہ تھی۔ بلکہ طفیل بن جعدہ نے بلا اجازت کسی روغن فروش کی دوکان سے اُٹھا کر اسی کام کے لئے اسے لا دی تھی۔ (ہدیۂ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ ص۲۲/۳) علامہ شہرستان بھی لکھتے ہیں۔ کہ وہ ایک پرانی کرسی تھی۔ جس پر مختار نے ریشمی رومال چڑھا کر اور خوب آراستہ کر کے ظاہر کیا۔ کہ یہ حضرت کے توشہ خانہ میں سے ہے۔ جب کسی دشمن سے جنگ کرتا۔ تو اس کو صف اول میں رکھ کر اہل لشکر سے کہتا۔ بڑھو۔ قتل کرو۔ فتح و نصرت تمہارے شامل حال ہے۔ یہ تابوت سکینہ تمہارے درمیان مثل تابوت بنی اسرائیل ہے۔ اس میں سکینہ ہے۔ اور ملائکہ تمہاری مدد کے لئے نازل ہو رہے ہیں۔ وغیرہ (الملل والنحل مصری ص۲۲) تیسرا شخص معزالدولہ شیعہ ہے۔ جس نے اٹھارہویں ذی الحجہ کو عید غدیر منانیکا حکم دیا۔ پھر اس کے بعد عاشورہ کے دن حکم دیا۔ کہ لوگ غم حسینؓ میں دوکانیں بند کریں۔ ہڑتال کریں۔ خرید و فروخت سے باز رہیں۔ سوگ کے کپڑے پہنیں۔ زور سے واویلا کریں۔ عورتیں بال کھولیں۔ منہ پر طمانچے ماریں۔ لوگوں نے اس

تعمیل کی۔ اور اہل السنۃ اس کی مخالفت پر قادر نہ تھے کیونکہ شیعوں کا غلبہ تھا۔ جب ۳۵۳ھ میں پھر ایسا ہی ہُوا تو اس پر شیعہ اور سنی میں بڑا فساد ہُوا۔ اور بہت لوٹ مار تک نوبت پہنچی۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۴۲۵ و تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۷) کامل ابن اثیر جلد ۸ میں بھی ہے۔ کہ دس محرم ۳۵۲ھ کو معز الدولہ نے عام حکم دیا۔ کہ دوکانیں بند ہو جائیں۔ بازار اور خرید و فروخت کا کام روک دیا جائے۔ لوگ نوحہ کریں۔ کمبل کا لباس پہنیں۔ عورتیں پراگندہ منہ اور گریبان چاک دوہتڑ مارتی ہوئی شہر کا چکر لگائیں۔ (صفحہ ۱۹۷) آنریبل سید امیر علی صاحب سپرٹ آف اسلام انگریزی میں لکھتے ہیں۔ بیادگار شہادت امام حسین رضؓ و دیگر شہدائے کربلا یوم عاشورہ کو ماتم کا دن مقرر کیا۔ (ص ۴۲۶) ایک اور شیعہ رقمطراز ہیں کہ معز الدولہ پہلا بادشاہ مذہب امامیہ پر تھا۔ جس نے یہ یوم عاشورہ بازار بند کرا دیئے نانبائیوں کو کھانا پکانے کی ممانعت کر دی۔ عورتیں سر کھولے ہوئے راستوں میں نکلیں۔ اور ماتم حسین رضؓ کیا۔ ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر کی وغیرہ۔ دیکھو۔ (تلخیص مرقع کربلا ص ۷۹-۸۰)

رسم ماتم عاشورہ کی یہ مختصر داستان ہے۔ جو بحکم یزید اسی کے گھر سے شروع ہوئی۔ مختار اور معز الدولہ نے

ترقی دی ہے۔ پھر شیعوں نے اس پر خوب خوب مذہبی رنگ چڑھایا۔ اب عشرہ محرم میں گھر گھر اسی کا جلوہ ہے۔ کسی نے بالکل سچ کہا ہے۔ ؎

رسم ماتم بنا یزید نمود ٭ ہر کہ آمد بر آں مزید نمود

تعزیہ:۔ جو مختلف قطع وضع اور رنگ برنگ کے بنتے ہیں۔ مشہور یہ کیا گیا ہے۔ کہ روضہ امام حسین رضؓ کی نقل ہے۔ اور جگہ کا تو حال معلوم نہیں۔ مگر ہندوستان میں ہر سال عشرۂ محرم میں بڑے تزک و احتشام اور دھوم دھام سے نکالا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ عہد تیمور میں اس کی ابتدا یوں ہوئی۔ کہ بعض شیعہ بیگمات۔ شیعہ وزراء۔ شیعہ امراء ایرانی الاصل اور شیعہ اہل لشکر۔ ہند میں قیام اور سلطنت و جنگ کے انتظام وغیرہ کے باعث ہر سال کربلائے معلّٰے نہیں جا سکتے تھے۔ جنہوں نے حسب عقیدہ شیعہ بغرض حصولِ ثواب روضہ امام حسینؓ کی نقل منگوا کر بجائے کربلا کے اس کی زیارت کرنا شروع کی۔ پھر جب شاہان اودھ کے دور میں تشیع نے زور پکڑا۔ تو نقل روضہ امام اور ذوالجناح اور قاسم کی مہندی وغیرہ کا بھی رواج بڑھا۔ اس نے کم و بیش جلد یہ صورت اختیار کر لی۔ جو اب مروّج ہے۔ چنانچہ تلخیص مرقع کربلا کے شیعہ مصنف بھی فرماتے ہیں۔ کہ جوہری صاحب

طوفان البکا نے امیر جنود کا عراق میں آنا۔ اور زیارت کربلا و نجف اشرف کرنا اور پیادہ چلنا اور وزرا کا پیادہ روی سے منع کرنا۔ اور اس کا قرآن میں فال دیکھنا۔ اور آیہ فاخلع نعلیک کا نکلنا۔ اور تبرکات لانا اور الفاظ تعزیہ داری خصوصًا ہندوستان میں مفصل لکھا ہے۔ اور سب جانتے ہیں۔ (ص۳۳) حالانکہ اس نقل روضہ امام تعزیہ کا کچھ اعتبار نہیں۔ کیونکہ اصل روضہ امام بھی . . . . . غیر معتبر ہے۔ اور پھر یہ تعزیہ جس کی تاریخ امیر تیمور کے دور سے آگے نہیں چلتی۔ بدعت تیموریہ نہیں تو اور کیا ہے۔ پس مسلمانوں کو عقل و ہوش سے کام لینا چاہیئے۔ اور اس قسم کی تمام بدعات سے مجتنب رہنا چاہیئے۔

آٹھواں خطبہ!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ انعام رکوع ۱۹

باریتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو۔ اس کے سوا دوسرے راستوں کا اتباع مت

کرو۔ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستہ سے ہٹا دیں گے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ اس چیز کی نصیحت کرتا ہے۔ تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

برادران ملت! بجز معدودے چند فاقد الفطرت ہستیوں کے تمام انسانوں کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ ہم خود نہیں بنے۔ بلکہ ہمیں بنانے والا کوئی اور ہے۔ اگرچہ اس بنانیوالے کے نام ہر زبان میں مختلف ہیں۔ مثلاً فارسی میں اسے خدا کہتے ہیں۔ اور عربی میں اللہ (جل شانہٗ) اور ہندی میں بھگوان کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور اس امر پر بھی تمام صحیح الفطرت انسانوں کا اتفاق ہے۔ کہ سارا جہان یعنی زمین اور آسمان اسی خدا تعالیٰ نے انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر اس جہان کی نعمتوں کو شمار کیا جائے۔ تو تعداد اور شمار میں نہیں آ سکتیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔

ترجمہ۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو۔ تو گن ہی نہ سکو۔ اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ کہ اپنے خالق۔ مالک اور رازق کا شکریہ ادا کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے اب یہ چیز قابل غور ہے۔ کہ اس کا شکریہ کس طریقہ سے

ادا کیا جائے۔ اس مسئلہ کا صحیح حل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے مافی الضمیر کا بندہ سے اظہار فرمائیں۔ کہ اے میرے بندے فلاں طریقہ سے تو مجھے راضی کر سکتا ہے۔ چنانچہ مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک یہ چیز بھی ہوتی ہے۔ کہ انبیا علیہم السلام ہمیشہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اطلاع پاکر ایسا راستہ تبلاتے رہے۔ کہ اس پر چل کر انسان خدا تعالیٰ کی رضا کا تمغہ پا سکیں۔ اور اسی راستہ کا نام عبادت ہے۔ اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوتا رہا کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی استعداد اور قابلیت کے مناسب حال اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رضا کا راستہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اسی لئے شریعتوں میں عبادت اور یاد الٰہی کے مختلف طریقے آپ کو نظر آئیں گے۔ اور اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اس موجودہ دور میں جس میں ہم لوگ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی تمام نازل کردہ مذاہب میں سے سوائے مذہب اسلام کے اور کسی مذہب کی تعلیم محفوظ نہیں ہے۔ سید المرسلین۔ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے جتنی کتابیں گذشتہ انبیا علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ ان میں سے کوئی آسمانی کتاب آج سطح دنیا پر موجود نہیں ہے۔ نہ تورات نہ انجیل نہ زبور

نہ صحف ابراہیم۔ کسی کتاب کا صحیح نسخہ آج نہیں مل سکتا۔ اور نہ ہی ان انبیاء علیہم السلام کے ارشادات طیبہ موجود ہیں جو ان کتب سماوی کی شرح و بسط کیلئے انہوں نے ارشاد فرمائے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ جب سابقہ کتب سماوی محفوظ نہیں رہیں۔ اور انبیا علیہم السلام کی شروح بھی محفوظ نہیں رہیں جب علم ہی سرے سے مفقود ہے۔ تو ان شرائع اور کتب سماوی کا عمل کیسے محفوظ رہ سکتا تھا۔ کیونکہ اول انسان کے ذہن میں علم آتا ہے۔ پھر اس علم کے مطابق عمل کرتا ہے۔

لہذا حاصل یہ ہے۔ کہ آج اگر کوئی شخص خدا تعالےٰ کی عبادت کا صحیح طریقہ معلوم کرنا چاہے۔ اور وہ صراط مستقیم اور سیدھا راستہ تلاش کرنے کے لئے گھر سے باہر آئے تو اس غرض کی تکمیل اور اس مقصد کے حصول کیلئے ایک ہی راستہ اسے نظر آئیگا۔ کہ سید المرسلین، خاتم النبیین۔ شفیع المذنبین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازہ پر آئے۔ حضور انور کے سامنے دو زانو ہو کر با ادب کرے۔ اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے اپنے حسن عقیدہ کا اظہار کر کے اپنے مقصد کے حل کا سوال پیش کرے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کے غلام یعنی

علماء اسلام ولبشرطیکہ ربانی ہوں) اس کے سوال کا جواب دروازۂ محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر دیں گے۔ کہ اس صراط مستقیم کی علمی تصویر اگر دیکھنا چاہتا ہے۔ تو وہ قرآن ہے۔ اور عملی نمونہ دیکھنا چاہتا ہے۔ تو سیرت سردار دو جہاں فخر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ گویا کہ قرآن علم صراط مستقیم ہے۔ تو سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عمل صراط مستقیم ہے۔ قرآن کو اگر اس کی صورت کہا جائے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کی سیرت ہیں۔ قرآن اگر صراط مستقیم کا قال کہا جائے۔ تو سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس کا حال ہے۔ اگر صراط مستقیم کا علمی چہرہ دیکھنا چاہے۔ تو نقوش اور حروف کی صورت میں قرآن ہے۔ اور اگر اسے چلتا پھرتا بولتا چالتا دیکھنا چاہے۔ تو وہ وجود مسعود سردار دو جہاں فخر انسان امام انبیاء علیہم السلام ہے۔

لہٰذا اے صراط مستقیم کے طالب اگر تو صراط مستقیم پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ تو علم قرآن کو اپنے رگ و ریشہ میں جگہ عطا فرما۔ اور عملی زندگی میں سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نمونہ بن کر دربار الٰہی میں آ۔ اس کے بعد ہمارا یقین اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔ کہ تو دربار الٰہی میں عزت پائے گا۔

ہر قسم کے عتاب و عذاب سے نجات پاکر مہمان خانہ الٰہی یعنی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور ہر جمعہ کے دن دیدار الٰہی سے سرفراز کیا جائیگا۔ وَ ذَالِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْعَظِيْمُ

برادرانِ اسلام! اس آیت کا دوسرا حصہ یہ ہے وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (ترجمہ) (میری صراط مستقیم کے علاوہ) دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو۔ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے ہٹا دینگے۔

میرے معزز بھائیو! اللہ تعالےٰ کے مذکور الصدر راستہ کے علاوہ اور بھی سینکڑوں راستے آپ کو دنیا میں نظر آئینگے۔ جن میں ہر ایک راستہ پر ایسے داعی آپ کو ملیں گے، وہ آپ کو اپنی اپنی طرف بلائیں گے۔ اور ہر اک کا یہی دعوٰی ہوگا۔ کہ ہمارا راستہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اسی پر چلنے سے تمہاری نجات ہوگی۔ مثلاً یہودی نصرانی۔ مجوس۔ ہنود وغیرہ اقوام کے پیشوا خدا رسیدہ بنانے ہی کی دعوت دیں گے۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ میں اپنی اسی تقریر میں اس چیز کو واضح کر چکا ہوں۔ کہ صراط مستقیم کا دنیا میں صحیح مصداق علم کی صورت میں فقط قرآن اور عمل کی صورت میں فقط سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

ان بے شمار غلط راستوں کے سلسلہ میں غیر مسلم اقوام کے راستے تو الگ رہے۔ خود مسلمان کہلانے والوں میں بھی اس قدر گمراہ کن۔ حق و صداقت سے ہٹانے والے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے راستہ کے کھلم کھلا مخالف نظر آنے والے راستے موجود ہیں۔ اور حیرانگی اس چیز کی ہے۔ کہ ان گمراہ راستوں کی طرف دعوت دینے والے کہلاتے ہیں اور خدا رسیدہ ہونے کا اعلان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مسلمانو! یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں اعلان ہے۔ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔

ترجمہ۔ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی مخالفت کرے گا۔ بعد اس کے کہ اس کے ہاں ہدایت واضح ہو چکی ہے۔ اور مومنین (یعنے صحابہ کرام اور ان کے تابعداروں) کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ پر چلے گا۔ ہم اُسے اسی راستہ کے سپرد کر دیں گے۔ جس پر وہ جا رہا ہے۔ اور (آگے چل کر) اسے جہنم میں داخل کریں گے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

بلانے والوں کی قسمیں ؛

میرے معزز بھائیو:۔ دین کے نام پر بلانے والوں کی دو قسمیں ہیں :۔ علمار کرام اور صوفیائے عظام اور پھر ان دو قسموں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں ۔ خدا پرست علمائے کرام اور گمراہ کُن علمار خدا پرست صوفیائے عظام اور طالب زر فقرار

مسلمانوں کا فرض ہے ۔کہ کھرے اور کھوٹے علما اور سچے اور جھوٹے فقیروں میں تمیز کریں ۔ سچے علمار کرام اور سچے صوفیائے عظام کا دامنگیر اپنے آپ کو بنائیں ۔ اگر تمیز کئے بغیر کسی کا دامن پکڑ لیا ، تو ممکن ہے ۔کہ وہ گمراہ کن اور فریبی فقیر خود بھی جہنم میں جائے ۔ اور انہیں بھی ساتھ لے جائے ۔

کھرے اور کھوٹے کی تمیز

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو علم قرآن پڑھایا ۔ اور قرآن حکیم پر عمل کر کے مسلمانوں کو دکھایا ۔ قرآن مجید کا مطلب سمجھانا اور چیز ہے ۔ جسے تعلیم کتاب کہا جاتا ہے اور اس تعلیم کا رنگ چڑھانا اور چیز ہے ۔ جسے تزکیۂ نفس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معلّم بھی تھے ۔ اور مزکی بھی ۔ حضور انور فداہ ابی وامی کے

دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی اس مقدس خدمت کو دو گروہوں نے اپنے ذمہ لے لیا۔ تعلیم کتاب کا فرض علمائے کرام انجام دینے لگے۔ اور تزکیۂ نفس کا کام صوفیائے عظام نے اپنے ذمہ لے لیا۔ اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں عالم فقط وہ ہو سکتا ہے۔ جو عالم قرآن ہو۔ اور صوفی وہ ہے۔ کہ نہ صرف قرآن کی تعلیم اس کا اپنا حال ہو۔ بلکہ قرآن کی تعلیم کا رنگ دوسرے پر چڑھانے میں باکمال ہو۔ اب کھرے عالم کی پہچان کے لئے دو علامتیں دیکھی جائیں۔ کہ عالم قرآن ہو۔ علم قرآن خلق خدا کو پہنچائے اور اس کی صحبت میں تعلیم قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کے خیالات میں ایسی تبدیلی نظر آئے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے صحابہ کرام کے اندر نظر آتی تھی۔ مثلاً لوگ شرک سے متنفر توحید کے دلدادہ۔ کفر سے منحرف ایمان کے فریفتہ بد اخلاقی سے دور اخلاق حمیدہ سے آراستہ۔ خدا سے ڈرنے والے۔ شریعت کا لحاظ رکھنے والے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا شوق رکھنے والے ہو جائیں۔ اور سچے فقیر کی یہ علامت ہے۔ کہ اس کا تصوف شریعت کے تابع ہو۔ اس کی صحبت میں نفس امّارہ مغلوب ہو جائے۔ خواہشات

نفسانی مقصود نہ رہنے پائیں۔ جو حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے
آئے۔ اس کے قبول کرنے میں نفس چون وچرا نہ
کرنے پائیں۔ اور دنیا و مافیہا کی روکاوٹوں کی ذرہ پرواہ نہ ہو
غرضیکہ قرآن پاک میں جو قال تھا۔ وہ اس باخدا کی صحبت
میں طبیعت کا حال ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ ہم
سب مسلمانوں کو ایسے ہی علمار ربانی اور صوفیائے کرام
باخدا کی صحبت میں زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے
تاکہ ان کی دامنگیری ہماری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ اور
ان بُرے عالموں کی صحبت سے بچائے۔ جن کی صحبت میں
اللہ تعالےٰ کے دروازہ پر ہاتھ پھیلانے کی بجائے غیر اللہ
کے دروازہ پر ہاتھ پھیل جائیں۔ خدا تعالےٰ سے مانگنے
کی بجائے غیر اللہ کے سجدے کرائیں۔ اللہ تعالےٰ کے
دروازہ کے بجائے دوسروں کے دروازوں پر پڑے جائیں۔
غرضیکہ ان کی تعلیم کا حاصل یہ نکلے کہ بندے کا تعلق خدا
تعالےٰ سے مضبوط تر ہونے کی بجائے اور زیادہ کمزور
ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ کے قبضۂ قدرت میں اپنے نفع وضرر
قبض اور بسط رزق کی باگ سمجھنے کی بجائے غیر اللہ کے
ہاتھوں میں اپنی حاجت روائی سمجھنے لگ جائے۔ چنانچہ
آج کل عموماً ایسے ہی گمراہ کن علما اور آئمہ مساجد کا وجود آپ

کو نظر آئے گا۔ اگرچہ ان میں صحیح الخیال۔ صحیح العقیدہ باعمل ہستیوں سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نقیری بھیس میں بھی آپ کو کئی انسان صورت شیطان سیرت نظر آئیں گے۔ جو نقیری کے دام میں پھنسا کر عام لوگوں کو شیطان کی جماعت میں داخل کرائیں گے۔ اتباع شریعت سے خود بے بہرہ ہوتے ہیں اور مریدوں میں بھی یہی زہر بھرتے ہیں آپ ان کے پاس رہ کر دیکھیں گے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ انہیں خلاف شرع کاموں میں بڑا شوق ہوگا۔ اور شریعت کی توہین بھی ہو جائے۔ اور انہیں کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ مثلاً طبلہ اور سارنگی کے دلدادہ قوالی کے عاشق۔ حقہ کے بڑے مشتاق۔ بھیک مانگ کر بھی اپنے بزرگوں کے بھنڈارے کرنے کو نہایت ہی اشد ضروری خیال کرنیوالے ان کے تکیہ کی قریب والی مسجد بھی غیر آباد۔ مگر تکیہ بڑا پر رونق اور آباد۔ مسجد میں کربلا کا نظارہ اور تکیہ میں ٹھنڈے گھڑے موجود۔ مسجد میں چٹائی ندارد اور اگر ہے تو ٹوٹی پھوٹی اور تکیہ میں عمدہ اور صاف صفیں بچھی ہوئیں اللہ تعالیٰ ایسے گمراہ کن شیطان کے ایجنٹ صوفیوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ اور اتباع شریعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

نواں خطبہ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ
فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى
الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
(بقرہ ۲۰۔ ع ۲۵)

ترجمہ :- خدائے قدوس کا ہمیں ارشاد ہوا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں۔ (جو صرف دنیا ہی کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ اور جن کی صدائے حال یہ ہوتی ہے۔ کہ "اے رب ہمارے! جو کچھ دینا ہے۔ دنیا ہی میں دے دے۔ پس آخرت کی زندگی میں ایسوں کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو (دنیا اور آخرت دونو کی فلاح چاہتے ہیں۔ وہ) کہتے ہیں۔ کہ "اے رب ہمارے! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے۔ اور آخرت میں بھی بھلائی دے۔ اور ہمیں عذاب جہنم سے بچالے"۔ تو یقین کرو۔ کہ یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہیں ان کے عمل کے مطابق (دنیا اور آخرت کی) فلاح میں حصہ ملنا ہے اور اللہ (کا قانون) اعمال کے محاسبہ میں سست رفتار نہیں

ہے۔ وہ ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق فوراً نتیجہ دینے والا ہے۔

ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے۔ اس کی گود میں پرورش پانے۔ پہلے گھٹنوں کے بل چلنے۔ پھر پاؤں پر کھڑا ہونے پھر دوڑنے۔ جوان ہونے۔ منگنی کرنے۔ شادی کرنے۔ بچے جننے اور پالنے اور بوڑھے ہو کر انتقال کرنے غرضیکہ چند روزہ زندگی کی اِن تمام منازل طے کرنے میں سب بنی نوع انساں یکساں ہیں۔

ایک غیر مسلم کی نظر فقط اسی دنیا تک محدود رہتی ہے۔ بلند مکانوں۔ عالیشان کوٹھیوں اور محلّوں میں بسر کرنے۔ موٹروں میں سفر کرنے۔ حسین بیویوں سے نکاح کرنے۔ بچّے جننے اور ان کی ضروریات بہم پہنچانے۔ لذیذ غذائیں کھانے۔ قیمتی لباس پہننے۔ دنیوی تعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے۔ دولت کمانے اور جمع کرنے۔ خان صاحبی۔ خان بہادری۔ سَری۔ میونسپل کمشنری اور وزارت کے القاب وعہدے پانے غرضیکہ اسی طرح کی تمام نفسانی خواہشات کی تکمیل میں شب وروز غیر مسلم غرق رہتا ہے۔ حتیٰ کہ پیغام اجل آجاتا ہے۔

بخلاف اس کے ایک مسلمان کی زندگی میں سعی منقسم ہوتی ہے۔ اسے وہ سعی کرنے کا حکم ہے۔ جس سے اس کی دنیا اور

آخرت دونوں ہی سدھر جائیں۔

آخرت پر ایمان

اب اس آخرت کو نہ غیر مسلم نے دیکھا ہے نہ مسلم نے۔ فرق یہ ہے۔ ایک غیر مسلم کا اس آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے۔ مگر ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو خدائی احکام سمجھتا ہے۔ اسے یقین ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر شب معراج میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ شدہ اُخروی حالات کی تفصیل فرما گئے ہیں۔ وہ (الٓمٓ ٥ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ) کے حکم کے ماتحت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان واجب الاذعان پہ مہر تصدیق لگاتا ہے۔

سرمایۂ آخرت

جس طرح اس دنیا میں چین سے زندگی بسر کرنے۔ عزت و آرام سے رہنے سہنے کے لئے ایک سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اور وہ سرمایہ سونا اور چاندی ہے۔ جس کے پاس یہ ہو۔ خواہ وہ شودر ہو یا چمار۔ چینی ہو یا جاپانی۔ بت پرست ہو یا تثلیث پرست۔ وہ ڈگریاں مول لے سکتا ہے۔ سر کا خطاب پا

سکتا ہے۔ میونسپل کمشنری کے دنگل میں جیت سکتا ہے۔ وزیراعظم منتخب کیا جا سکتا ہے۔ سب اسے سلامیں کرتے ہیں۔ ٹی پلاتے ہیں۔ تحفے تحائف بھیجتے ہیں۔ مگر جس کے پاس دولت نہیں خواہ سادات کرام سے ہو۔ یا قریش خاندان سے۔ قابلیت میں یکتا ہو۔ مغلیہ خاندان کا جانشین ہی کیوں نہ ہو۔ اسے آج رہنے کو جھونپڑی۔ تن ڈھکنے کو چادر۔ اور منہ مانگے بھیک بھی نہیں ملتی۔

اسی طرح آخرت میں چین۔ عزت۔ راحت پانے کا بھی سرمایہ ہے۔ وہاں اس دنیا کا سرمایہ ہرگز کام نہیں آئیگا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ o یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ o مَا اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ o هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَهْ o

ترجمہ:۔ جب دوزخیوں سے ہر اک کا اعمالنامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ وہ (افسوس) سے کہے گا۔ کاش امیرا یہ اعمالنامہ دنیا مجھے نہ ملتا۔ اور مجھے اپنے حساب کی خبر ہی نہ ہوتی۔ کاش اگلی موت میرا کام تمام کر دیتی۔ (پھر دوبارہ یہ زندگی ہی نہ ملتی۔ تاکہ آج کی یہ آفت شرمساری۔ رسوائی۔ بےعزتی نصیب نہ ہوتی) (ہائے افسوس) میں نے دنیا (بہت زیادہ اور سیدھے اور ٹیڑھے طریقوں سے) کمائی۔ (اور بنکوں میں جمع

کی۔ ترقی درجات کے لئے رشوتوں پہ اڑائی) وہ بھی کچھ کام نہ آئی۔ میری حکومت (وزارت۔ امارت۔ سری۔ میونسپل کمشنری۔ خان بہادری) بھی خاک میں مل گئی۔

وہاں نہ حسب نسب کام آئے گا۔ نہ دنیاوی عزت کام آئے گی۔ بلکہ وہاں کا سرمایہ تو سعادت۔ شرافت۔ صلاحیت حیا جیسے اعمال حسنہ ہیں۔

اعمال حسنہ اور ریا

نیک عمل وہ ہے۔ جو فقط رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے۔ ورنہ بظاہر کتنی ہی نیکی ہو۔ اور کوئی بھی نیکی ہو۔ جس میں رضائے الٰہی مطلوب نہ ہو۔ ہرگز قبول نہ ہو گی۔

حتیٰ کہ نماز جیسی مہتم بالشان نیکی جو کفر و اسلام میں امتیازی نشان ہے۔ جس کے ایک دفعہ ترک کرنے پر کفر کا وعید سنایا جاتا ہے۔ اگر وہ بھی ریا سے پاک نہ ہوگی تو مردود ہو گی۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۔ ترجمہ:۔ پس ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ وہ جو دکھلاوا کرتے ہیں۔ اور روز مرہ کے استعمال کا سامان مانگے نہیں دیتے۔

حدیث شریف میں ہے:- اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیَ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّیَاءُ (مشکوٰۃ شریف) ترجمہ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ اپنی امت کے متعلق چھوٹے شرک کا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ وہ چھوٹا شرک کیا ہے۔ فرمایا ریا (دکھلاوہ)

موت اور رُوح

غیر مسلم کی زندگی اس کے زعم باطل میں اس منزل پہ ختم ہو جاتی ہے۔ جسے وہ "موت" کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔

اسلام کی اصطلاح میں اسے "انتقال کہا جاتا ہے۔ مسلم اپنی زندگی کو فانی نہیں سمجھتا۔ وہ سمجھتا ہے۔ کہ اس زندگی کے خاتمہ کے بعد فقط نقلِ مکانی ہوگی۔ مثلاً خضری محلہ سے میانی صاحب[1] ان دونوں کی سمجھ میں فرق کی وجہ یہ ہے۔ کہ غیر مسلم ظاہری جسم کو انسان سمجھے بیٹھا ہے۔ جو مرنے کے بعد جلا دیا جاتا ہے۔ یا زیرِ زمین دبا دیا جاتا ہے۔ در اصل "انسان" کچھ اور چیز ہے۔ جو لفافہ جسم کے اندر بستا ہے۔ جسے اسلام "روح" کہتا ہے۔ جب روح

[1] لاہور کا مشہور قبرستان ہے۔

کو کوئی موت نہیں ہے۔ چنانچہ احادیث سے ثابت ہے۔ کہ مرنے کے بعد اگر مرنے والا مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہوگا۔ تو اس کی روح ساتوں آسمان کے پار اللہ کے قرب سے ہو کر کفن دفن ہونے تک اسی مردہ جسم کے پاس آجاتی ہے مگر اگر وہ مردود بارگاہ الٰہی ہے۔ تو اس کی روح جب چڑھنے لگتی ہے۔ تو پہلے ہی آسمان سے روک دی جاتی ہے۔ اور واپس پھینک دی جاتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ اَلْقَبْرُ اَوْ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ کہ قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہے۔ یا حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوتی ہے۔

مسلم کا پروگرام

پس اے مسلم! تیری دونوں دنیوی اور اُخروی زندگیوں کے لئے پروگرام قرآن ہے۔ تیرے لئے بہترین نمونہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ہے۔ اپنی زندگی کے لمحات قرآن و سنت کے مطابق گزار۔

دنیا میں عزت پانے کیلئے ہر جائز طریق پر عمل کر کے سرمایہ، دولت اکٹھا کر تجارت کر، حکمت کر، ملازمت کر، یا جو چاہے کر

مگر آخرت میں عزت پانے والے کے لئے سرمایۂ اعتقادات میں اپنے اندر ایسی توحید کا رنگ پیدا کر۔ جس میں ذرہ بھر شرک نظر نہ آئے۔ اپنا خالق۔ مالک۔ رازق۔ زندہ کرنے والا۔ مارنے والا۔ رزق میں کشادگی اور تنگی کرنے والا غرضیکہ ہر نفع ونقصان کا اختیار اسی ایک خدا تعالیٰ میں خیال کر۔ اور نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ اعمال صالحہ بجا لا۔ اور خلق اللہ میں سے کسی کی حق تلفی نہ کرنے پا۔ تاکہ تیری نجات ہو۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ ۝ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝ ترجمہ:۔ تو جس کا اعمالنامہ اس کے اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائیگا۔ وہ (مارے خوشی کے) کہیگا لو میرا اعمالنامہ پڑھو۔ مجھے (دنیا میں) یقین تھا۔ کہ (اس دن) مجھے حساب دینا ہوگا۔ پھر وہ تو بڑے آرام کی زندگی میں اونچے باغ میں رہے گا۔ جس کے میوے جھکے ہونگے۔ (اٹھ کر توڑنے کی بھی زحمت نہ اُٹھانا پڑیگی) ایسے لوگوں سے کہا جائیگا۔ تم نے جو نیک (نماز۔ حج۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ جیسے) کام اگلے دنوں (دنیا) میں کئے تھے۔ اُن کے بدلے (آج)

مزے سے کھاؤ پیؤ (چین کرو)

آخرت کی عزت۔ خوشی اور مزے وہی پائیگا۔ جس کا آخرت پہ ایمان ہوگا۔ ورنہ جو آخرت کے منکر تھے۔ اُن سرکشوں کے لئے تو جہنم تیار کی گئی ہے۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ○ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ○ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ○ (ترجمہ) بیشک جہنم گھات میں ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ اس میں کئی حقبے رہینگے

آخرت کے حساب کتاب ہونے کی تبلیغ انبیاء فرماتے رہے۔ انبیاء کے جانشین تبلاتے رہے۔ خاتم النبیین حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب نبیوں کا دور تو ختم ہوگیا۔ لیکن ان کے غلام آج بھی پکار پکار کر تبلا رہے ہیں۔ اور قیامت تک تبلاتے رہیں گے۔ یہ اتمام حجت ہو رہی ہے۔

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ○ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○

ترجمہ:۔ آخرت کے دن جب خدا تعالیٰ پوچھیں گے۔ کہ میرا کوئی بندہ تمہیں ڈرانے والا نہ آیا تھا۔ تو یہ انکار نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ وہ بے ایمان خود اقرار کریں گے۔ کہ اے اللہ آئے تو تھے۔ مگر ہم نے جھٹلایا تھا۔ اگر انہیں سنتے تو آج کیوں دوزخ میں جھونکے جاتے۔ اللہ تعالیٰ خود اقرار سب کے روبرو کروا کر جہنم رسید کرائیں گے۔

جنتی یا جہنمی کون ہے؟

ایک بات یاد رہے۔ کہ جنتی اور جہنمی آخرت کو تیار نہیں کئے جائینگے۔ اسی زندگی کے دور میں تیار ہوتے ہیں۔ اور ہو رہے ہیں۔ ہر روز ہر آن تیار ہو رہے ہیں۔ وہاں تو فقط چھانٹ ہوگی۔

یہیں قرآن وسنت کے شیشہ میں اپنی یا دوسرے کی شکل دیکھ کر پتہ چل سکتا ہے۔ کہ کون جنتی معلوم دیتا ہے اور کون جہنمی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

۱۔ نمازوں میں عاجزی کرنے والے۔ ۲۔ بیہودہ کاموں (ٹاکیز۔ سینما۔ رسومات غیر اسلامی وغیرہ) سے منہ موڑنے ۳۔ اپنی کمائی سے مستحقین کو حصہ (زکوٰۃ) دینے۔ ۴۔ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے۔ ۵۔ امانتوں میں خیانت نہ کرنے۔ ۶۔ وعدوں کا ایفا کرنے۔ ۷۔ نمازوں کی حفاظت کرنے کی صفات جن میں ہیں۔ وہ جنت کے وارث ہونگے۔

اس کسوٹی پہ پرکھیں۔ کہ آیا یہ صفات فلاں میں ہیں۔ اگر ہیں۔ تو جنتی کا اندازہ ہوگا۔ اگر اپنے میں ہیں۔ تو خود بھی جنتی ہونگے۔ مگر جس نے نماز ایک نہ پڑھی ہو۔ صاحب نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ کبھی نہ نکالی ہو۔ وعدہ وفا نہ کیا ہو۔ بیہودگی سے بچا نہ ہو۔ عصمت کی حفاظت نہ کی ہو۔ تو سوچ لے کہ کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔

فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ہ حَتّٰى اَتٰنَا الْيَقِيْنُ ہ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ ہ

جنتی جہنمیوں سے سوال کریں گے۔ کہ اے جہنمیو! تم دوزخ میں کیوں آئے۔ وہ حسرت بھرا جواب دیں گے۔ کہ ہم دنیا میں نمازیں نہیں پڑھتے تھے۔ اپنی کمائی میں سے اپنی ضروریات پوری کر لیتے تھے۔ مگر بھوکے کو کبھی نہ کھلاتے۔ کسی مسکین کی خبر گیری نہ کرتے۔ اللہ کے احکام کی پرواہ نہ کرنے والوں کا ساتھ دیتے۔ نماز کو اُٹھک بیٹھک کہتے۔ روزے کو فاقہ۔ داڑھی کو سائن بورڈ۔ علماء کو ملّنٹے کا خطاب دیتے۔ نماز روزوں کو بے فائدہ سمجھتے تھے۔ یہی طور رہا۔ یہاں تک کہ پیغام اجل نے آ دبایا۔ ان لوگوں کا آخرت میں کوئی سفارشی بھی نہ ہوگا۔

غرضیکہ لوگوں کے اعمال سے قرآن و سنت کی روشنی میں یہ اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے۔ البتہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق یقینی طور پر کسی کو جنتی یا جہنمی نہیں کہا جا سکتا۔

اپنے اعمال پر ناز نہ کرو

حدیث شریف میں آتا ہے۔ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ

وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا۔ (ترجمہ)۔ تمام عمر ایک شخص ایسے نیک عمل کرتا رہا۔ کہ بس ایک ہاتھ جنت کے در سے پہنچ گیا۔ مگر بدقسمتی سے کوئی ایسی غلطی ہو گئی۔ کہ جس کے سبب جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

پس کسی شخص کو اپنے اعمال پر نازاں نہیں ہونا چاہیئے اور ہر آن اللہ تعالیٰ حسن عمل کی توفیق اور استقامت علی الحق کی دعا کرتے رہنا چاہیئے۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ

اگر غور سے دیکھا جائے تو دین سے بے پروائی۔ خدا تعالیٰ سے بے تعلقی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت سے نفرت۔ رسم ورواج یورپ سے محبت۔ تو ان سب چیزوں کا اصلی باعث کافر کی حکومت ہے۔ جس کی آمد کا سبب ہمارے اسلاف کی سیاہ کاری اور گنہگاری ہے۔ عام قاعدہ رہا ہے۔ کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ عموماً یہی ہوتا رہا چونکہ آج ہندوستانیوں پہ انگریز حاکم ہے۔ جو دنیا پرست اور مادہ پرست ہے۔ اس نے بہلیوں کی بجائے فرنٹیر میل موٹریں۔ سیر اور سفر کے لئے مہیا کر دیں۔ ہوائی جہاز

سے مزید نقل وحرکت میں تیزی کردی معمولی مکانوں کی جگہ کوٹھیوں میں رہنے کی تمیز کرادی۔ سرسوں کے تیل کے دیئے کی جگہ بجلی کے قمقمے بنا دیئے۔

مگر یہ آخرت والی آنکھ سے کانا ہے۔ آخرت سے بالکل کورا ہے۔ اس نے نصاب تعلیم میں پرائمری سے لیکر اعلےٰ سے اعلےٰ ڈگری کی جماعتوں تک کہیں بھی خدائی تعلیم کے لئے گنجائش نہیں رکھی۔

اس کا اپنا پروگرام یہ ہے، کہ صبح سویرے داڑھی منڈائی۔ نہائے۔ کھانا کھا کر دفتر اور دفتر سے کلب اور کلب سے سینما۔ بس۔ آنرا کہ خود گم است کرا رہبری کند۔

ہندوستانی بڈھے اپنے سادہ لوح بچوں کو ان کی گود میں تعلیم کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ نتیجہ صاف ظاہر نظر آرہا ہے۔ ہماری نسل جدید اخلاقی موت کے گھاٹ اُتری جارہی ہے۔

میوہ زمیوہ رنگ مے گیرد

اسلامی حاکم ہوتا۔ تو اسے فرمانِ نبوی اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ کا پاس ہوتا۔ خود بھی پابندِ شریعت ہوتا۔ اور رعایا کو پابند بناتا۔ جیسا کہ امیر امان اللہ کے دور میں مَیں نے کابل میں دیکھا۔ کہ ہر محلہ

کی مسجد کے نمازی امام کے ماتحت تھے اور تمام امام پولیس کوتوال کے ماتحت، ہر نمازی کی حاضری لگتی تھی۔ غیر حاضری کی رپورٹ کوتوالی میں پہنچائی جاتی تھی۔ تاکہ بے نماز کو سزا دی جائے۔

اسلامی حکومت تو یہاں ہے نہیں، دنیا کمانے کے لئے جو ذریعہ چاہیں، اختیار کریں، مگر اُخروی نجات کے لئے قرآن و حدیث کی تعلیم اور تعمیل کے بغیر چارہ نہیں، "بلے میوہ زمیوہ رنگ میگیرد،" آخروی نجات کا سبق عالم ربانی سے دلوائیں، مسجد میں بیٹھنے والے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام، حق و باطل کا نقشہ تمہارے سامنے کھینچ کر رکھ دینگے۔ لا اکراہ فی الدین۔ مگر زبردستی دائرہ اسلام میں ہرگز نہ لائینگے، اور یہی تو انسان کا امتحان ہے کھرے کھوٹے کی تمیز امتحان کے وقت ہی ہوتی ہے۔

دنیا اور آخرت کو ساتھ ساتھ نبھائے جائیں۔ ہاں تعارض کے وقت آخرت کو ترجیح دینی ہوگی۔ (حدیث شریف میں ہے۔ جو دنیا کو محبوب بنائیگا۔ آخرت کو نقصان پہنچائیگا۔ اور جو آخرت کو محبوب بنائیگا۔ دنیا کو نقصان پہنچائیگا۔ اس کے بعد آپ نے مشورہ دیا ہے، کہ فنا ہونے والی چیز پر باقی رہنے والی کو ترجیح دو۔) ہاں اس میں بعض اوقات دقت محسوس

ہوتی ہے ۔ مثلاً دفتر کا وہ جنٹلمین جو صاحب بہادر کو رشوت بھی کھلائے ۔ شراب بھی پلائے ۔ ڈالیاں دلائے ۔ مگر گریڈ چڑھواتا ہے ۔ بخلاف اس کے خاموش مزاج ، خوشامد نہ کرنے والے ۔ کو کوئی پوچھتا ہی نہیں ۔ اس کی ترقی میں روکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں ۔

نظر غائر سے دیکھنے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جو رزق ماں کے پیٹ سے مقدر ہو چکا ہے اس کے ملنے میں کوئی شک لانا ہی نہیں چاہیئے ۔ اس مقدار سے نہ دانا کم ملے گا ، نہ زیادہ ۔

اور یہ بھی صحیح ہے ، کہ " انا عند ظن عبدی بی " جس طریقہ سے چاہو گے ۔ اسی طرح ملتا جائے گا ۔ رشوت کھانے اور کھلانے سے چاہو گے ، تو ویسے ہی ملے گا ۔ اور حلال ذرائع سے چاہو گے ۔ تو حلال کے ذرائع سے ملے گا ۔

اللہ تعالے نے ہمیں آخرت پر ایمان لانے کی توفیق دے ۔ اسوۂ حسنہ کے ماتحت دین و دنیا سدھارنے کی توفیق دے ، تاکہ جہنم سے بچ کر سیدھے جنت داخل ہو سکیں ۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ۔

دسواں خطبہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ
اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

اما بعد

آج کل پنجاب اسمبلی میں بچے اور بچیوں کی ابتدائی مخلوط تعلیم پر بحث ہو رہی ہے۔ ہندو اور مسلمان ممبران دونوں ہی اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ہمیں ہندو ممبران کے خیالات سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ مسلمان ممبروں میں بھی چونکہ اختلاف رائے ہے۔ اسلئے کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ تاکہ ہمارے مسلمان اراکین اسمبلی کوئی غلط راستہ اختیار نہ کریں۔

قرآن کیا ہے اور کیوں آیا ہے؟

قرآن احکم الحاکمین کا فرمان ہے۔ جو تمام بنی نوع انسان کو انسانیت کا سبق پڑھانے حیوانات سے ممتاز بنانے۔ انسانیت کے حقوق و فرائض سمجھانے۔ انسان کو مجسمہ صلاحیت و سعادت بنانے۔ انسان پر حیا اور شرافت

کا رنگ چڑھانے آیا ہے۔

دائرہ احکام قرآن

قرآن حکیم فقط گوشۂ تنہائی میں بٹھانے اور یادِ الٰہی سکھانے کیلئے ہی نہیں آیا۔ بلکہ قرآن انسان کے ہر شعبۂ حیات میں بہترین راہ نما ہے۔ عبادات و معاملات۔ اخلاق تمدن۔ معاشرت اور سیاسیات میں ایسا سیدھا اور صحیح راستہ سمجھاتا ہے۔ اور دنیا کی کوئی قوم کسی وقت بھی اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا۔

ترجمہ:۔ تیرے رب کا ہر فیصلہ سچائی اور انصاف کی آخری حد تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو کسی مسئلہ پر بھی غور کرنے میں قرآن حکیم سے مستغنی نہیں ہونا چاہیئے۔ ورنہ ممکن بلکہ اغلب یہ ہے کہ اپنی غیر مآل اندیشی اور کوتاہ نظری سے ایسا فیصلہ کرے۔ جو قرآن مجید سے مخالف ہونے کے باعث جھوٹ پر مبنی اور انصاف کے خلاف ہو۔ اور اُن فیصلہ کرنے والوں پر آئندہ آنے والی نسلیں ملامت کریں۔ اور اُن کا بویا ہوا پودا ایسے تلخ ثمرات کا باعث ہو۔ جو مسلمانوں کی اخلاقی یا معاشرتی یا تمدنی تباہی کا موجب ہو۔

وزیر اعظم پنجاب اور وزیر تعلیم کے خیالات

"پرائمری ایجوکیشن بل" پر بحث کرتے ہوئے وزیر اعظم[۱] صاحب نے فرمایا ہے۔ "کہ وہ کسی ایسی شق کے روا دار نہ ہونگے جو کسی کے مذہب یا مذہب پر مبنی معاشرتی نظام سے متعرض ہو (انقلاب ۱۴ر جنوری ۱۹۴۰ء) علاوہ اس کے پنجاب اسمبلی میں وزیر تعلیم نے یقین دلایا ہے۔ "کہ اس بل کا مقصد شریعت اسلامیہ کی مخالفت نہیں ہے۔ اور نہ اس کا یہ مقصد ہے۔ کہ پردے کو اٹھا کر مخلوط تعلیم کو مروج کیا جائے" (زمزم ۱۵ر جنوری ۱۹۴۰ء)

سپیکر کی سینہ زوری۔

جب وزیر اعظم اور وزیر تعلیم صاحبان یقین دلا رہے ہیں۔ کہ ہمیں اس بل کے پاس کرنے سے شریعت اسلامیہ کی مخالفت ہرگز منظور نہیں ہے۔ اور اس کے بعد پھر جب خواجہ غلام صمد صاحب نے اس بل کی مخالفت میں قرآن حکیم سے استدلال کرنا چاہا تو سپیکر نے روکا۔ "کہ خواجہ صاحب کو استدلال نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ پھر ہاؤس میں ایک ناگوار بحث چھڑ جائیگی۔" (زمزم ۱۵ر جنوری ۱۹۴۰ء) کس قدر جرأت اور سینہ زوری ہے۔ اور ایک ایسے ذمہ دار کے منہ سے ان الفاظ کا نکلنا۔ جو اس وقت مسلمانان پنجاب کا ایک بہترین سیاسی راہنما ہے۔ اگر ہم کسی غیر مسلم سے یہ الفاظ سنتے۔ تو کہدیتے

[۱] سر سکندر حیات خاں صاحب

کہ وہ بے ایمان ہے۔ دشمن اسلام ہے۔ اور قرآن کی توہین اس کی اندرونی بے ایمانی کا بیّن ثبوت ہے لیکن موجب صد حسرت اور باعثِ صد افسوس ہے۔ کہ یہ الفاظ ایک چوٹی کے مسلمان سے سنتے ہیں۔

سپیکر سے خطاب

اے میرے معزز دوست! قرآن مسلمان کی جان ہے اس پر مسلمان کا ایمان ہے۔ فقط قرآن ہی ذریعہ حفاظتِ ایمان ہے۔ اور یہی باعث داخلہ جنان ہے۔ اس کا نام ہی مسلمان کے لئے باعث فرحتِ جان ہے۔ مومن کیلئے ذکر قرآن ایسا ہے۔ جس طرح پیاسے کے لئے پانی۔ بھوکے کے لئے کھانا۔ اندھے کے لئے بینائی۔ گونگے کے لئے گویائی بہرے کے لئے شنوائی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ٥

آپ جب ایک کروڑ چودہ لاکھ مسلم آبادیٔ پنجاب کی بیٹیوں کے لئے ایک ابتدائی زندگی کا خاکہ بنا رہے ہیں۔ تو اس کے لئے ایک مسلمان نے قرآن کی طرف ہاؤس کو متوجہ کیا۔ تو کونسا گناہ کیا؟ کیا آپ کو بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ

چاہیئے تھا. کہ استدلال قرآن کو غور سے سنتے - اور اگر خواجہ غلام صمد کے استدلال میں کوئی خامی ہوتی - تو اس کی اصلاح فرماتے۔ آپ نے تو سرے سے قرآن کا ذکر کرنا ناپسند کیا - ایسی چیزیں آپ کی شان سے بعید ہونی چاہئیں

سپیکر اسمبلی کا ترجمۂ قرآن کے متعلق افترا

آپ فرماتے ہیں "کوئی دو مسلمان کسی ایک کے ترجمے پر متفق نہیں ہیں" میرے معزز دوست قرآن حکیم کے ایسے تراجم ہندوستان میں مروج ہیں۔ جن پر کروڑوں مسلمانوں کا اتفاق ہے ۔بلکہ میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں ۔کہ آپ مسلمانوں کے کوئی دو ایسے ترجمے بتائیں ۔جن میں باہمی اختلاف ہو۔

اے میرے معزز دوست! جس اسمبلی میں آپ سپیکر کے عہدہ پر فائز ہوں ۔ وہاں اسلامی نظریہ پیش کرنے والوں کی توہین ہو ۔کیا آپ کی غیرت اس امر کو گوارا کر سکتی ہے؟۔ چنانچہ ۱۷ر جنوری ۱۹۵۸ء ملاپ صفحہ ۳ کالم ۴ پر باجی رشیدہ نے شکایت کی ہے ۔کہ "ہمیں رجعت پسند، قدامت پسند اور دقیانوسی کہا گیا ہے۔

میرا خیال ہے ۔کہ اسلامی نقطۂ نگاہ پیش کرنے والوں کے متعلق جب یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہوں گے ۔ تو آپ کسی اور خیال میں مستغرق ہونگے ۔ ورنہ اس قسم کے دریدہ

دھنوں کو آپ ضرور رد کیجئے۔

اسلام میں تعلیم کا نظریہ

۱۔ علم ہی کی برکت سے انسان فرشتوں سے بھی افضل مانا گیا ہے۔

چنانچہ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا الخ اس پر شاہد ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ معلم ہے۔ اور انسان متعلم ہے۔

چنانچہ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ اس پر شاہد ہے

۳۔ جو اللہ تعالیٰ کا علم نہیں پڑھتا۔ وہ کافر ہے یا منافق۔

چنانچہ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ۔ الخ اس پر شاہد ہے

۴۔ ناخواندہ اور خواندہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ۔ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اس پر شاہد ہے۔

۵۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِیْ عَلٰٓى اَدْنَاكُمْ:۔ ترجمہ۔ عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے۔ جس طرح مجھے ایک ادنیٰ درجہ کے مسلمان پر ہے۔

حاصل یہ ہے۔ کہ انسان کا کمال ہی زیور علم سے آراستہ ہونے میں ہے۔ جو اس کمال سے عاری ہے۔ وہ انسان نہیں

بلکہ دو ٹانگوں والا ایک حیوان ہے۔ جو باقی حیوانات کی طرح فقط کسب معاش کرنا۔ کھانا۔ پینا۔ نر و مادہ کا جفت ہونا۔ بچے جننا اور انہیں پالنا ہی جانتا ہے۔ اور انسانیت ہی کی الف بار سے بھی بے بہرہ ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہوگا۔ باقی حیوانات کم ستھرے ہیں۔ یہ ستھرا ہوگا۔ یہ بھی کوئی انسانی کمال نہیں ہے۔ حیوانات میں بھی اس لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً طوطا کیا مجال ہے کہ کوے کی طرح غلاظت کھائے۔ اور شیر کیا مجال ہے۔ کہ گائے بھینس کی طرح بھوسہ کھائے۔

ضروری عرضداشت

ہاں ایک بات قابل غور ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انسان کو علم معاش اور معاد دونوں کی تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ شہنشاہ حقیقی عزاسمہٗ و جل مجدہٗ چاہتا ہے۔ کہ انسان کو ایسا علم پڑھایا جائے۔ جس سے دنیا میں خوشحال رہے۔ اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پا سکے۔ تاکہ جب عمر گذاری کا امتحان اس سے قیامت کے دن لیا جائے۔ تو اس میں فیل نہ ہونے پائے۔ اور امتحان کی تیاری ہر مرد و زن۔ ہر شاہ و گدا ہر امیر و غریب کا فریضہ حیات ہے۔

لازمی تعلیم

میری گذشتہ تحریر سے یہ واضح ہو چکا ہے۔ کہ اسلام

ہیں ہر مرد و عورت کے لئے تعلیم حاصل کرنا لازمی چیز ہے۔
اور تعلیم بھی ایسی جس میں معاش اور معاد یعنی دنیا اور آخرت
دونوں کی اصلاح ہو جائے۔ اس نظریہ سے کسی مسلمان
کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔

برادرانِ اسلام! مسلمان کی نظر میں جس علم کا حاصل
کرنا ضروری اور فرض ہے، اور جس علم کے سیکھنے سے کسی
مرد و زن کو مستغنی نہیں کیا جا سکتا، وہ علم دینی ہے۔ جس
کا نصاب تعلیم اصلی قرآن ہے، اور اس کی شرح حدیث
خیر الانام علے صاحبہ السلام ہے۔ در اصل ذمہ دارانِ تعلیم
ملک و ملت کو دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ دلائل تو وہ پیش کرتے
ہیں۔ جس سے دینی علم کا پڑھنا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور
جب پڑھنے کے لئے طلبا ان کی تحویل میں دیئے جاتے
ہیں۔ تو کتے۔ بلی۔ اور طوطے کی کہانیاں پڑھانا شروع کر
دیتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ آگے چل کر اگر کوئی مصرف
یا فائدہ اس علم کا ہو سکتا ہے، تو یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کی
مشینری کا کہیں پرزہ بن جائے۔ اور ملازمت مل جائے۔
اس تعلیم کے مہلک نتائج پر اب تو جدید تعلیم یافتہ بھی
دستِ حسرت مل رہے ہیں۔ اور وہ کھلے الفاظ میں اقرار
کر رہے ہیں، کہ اس تعلیم سے دین ایمان اور اخلاق

سب چیزیں رخصت ہو گئی ہیں۔ چنانچہ نفیس خلیلی صاحب اور ابوالاثر صاحب حفیظ جالندھری کے اشعار اس موضوع پر آگے آ رہے ہیں۔

ضرورت اصلاح نصاب

کیا وزیر تعلیم پنجاب نے کبھی اس امر پر غور کیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ایک ہی انسان کی دو قسمیں مرد اور عورت کیوں بنا دی ہیں۔ اگر دونوں کے فرائض اور دونوں کی ذمہ داریاں ایک جیسی تھیں۔ تو دو قسمیں بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرد کسی اور کام کے لئے ہے۔ اور عورت کسی دوسرے کام کے لئے بنائی گئی ہے۔ آئیے۔ اس سوال کا حل خود خالق الخلق عزاسمہٗ وجلّ مجدہٗ سے دریافت کریں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:۔ وَاِذْ قَالَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ٥

پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے:۔ جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا۔ بیشک میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ:۔ اللہ تعالےٰ وہ ہے۔

جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا۔ اور اسی ایک شخص سے اس کی بیوی کو بنایا۔ تاکہ وہ بیوی سے اطمینان اور تسلی پائے۔

حاصل یہ نکلا۔ مرد خدا تعالیٰ کا نائب ہو کر سارے نظام عالم کو چلانے کے لئے آیا ہے۔ اور عورت اُس کے آرام کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

مرد اور عورت اپنے دائرہ میں رہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ کہ:۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ نے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے۔ اس میں کوئی شخص دوسرے کی نعمت کو لینے کی آرزو نہ کرے۔ مرد (اپنے دائرہ میں رہ کر) جو کرینگے۔ اس کا اجر پائینگے۔ اور عورتیں (اپنے دائرہ میں رہ کر) جو کام کریں گی۔ اس کا صلہ پالیں گی۔

لہٰذا مذکور الصدر ارشادات الٰہیہ سے واضح ہو گیا۔ کہ مرد کو ایسی تعلیم دینی چاہیئے۔ جس سے نظام عالم کو بہترین طریقہ پر چلا سکے۔ اور صحیح معنیٰ میں نائب خداوندی کے

ممتاز لقب سے سرفراز کیا جا سکے۔ اور عورت کو ایسی تعلیم دینی چاہیئے۔ کہ وہ مرد کے لئے بہترین مونس و غمخوار اور اعلیٰ درجہ کی وفادار ہو، باسلیقہ اور کفایت شعار ہو۔ بہترین خدمتگذار ہو۔ گویا کہ گھر ایک چھوٹی سی سلطنت ہے۔ جس میں مرد ایک تاجدار ہے۔ عورت نائب السلطان اور بہترین مدارالمہام ہے، بچے اور ملازمین یہ رعایا کے افراد ہیں۔ مرد جب گھر میں آتا ہے۔ تو تمام انتظامات کو درست پاکر فرحت اور اطمینان کا سانس لیتا ہے۔

وزیر تعلیم سے خطاب

برادرم! اگر آپ نے بچیوں کو اسلامی نظریہ کے مطابق تعلیم دیدی۔ تو آپ بہترین اور قابل ترین آدمی مانے جائینگے۔ قوم و ملت جس قدر آپ کی تعریف کرے، اتنی ہی کم ہو گی۔ بلکہ دنیا میں بسنے والے آپ کے احسان کا شکریہ ادا ہی نہیں کر سکیں گے۔ موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلیں آپ پر رحمتیں بھیجیں گی۔ لیکن اگر آپ نے اسلامی نظریہ کو قطع نظر کرکے یورپ کے طرز تعلیم کو رائج کیا۔ بالخصوص مخلوط تعلیم جس کی حمایت میں آپ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ تو وہ کوئی قابل قدر خدمت نہیں ہے۔ بلکہ قوم کو بد اخلاقی، بے حیائی اور بے ایمانی کے

گڑھے کے کنارے پر آپ لے جائینگے۔ جیسا کہ یورپ کی موجودہ فضا اس کی شاہد عادل ہے۔ ع

آزمودہ را آزمودن جہل است

آپ کا فرض ہے۔ کہ یورپ کے تجربہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور اپنی قوم کو ہلاکت سے بچائیں۔ اور اگر آپ بالفرض مجبور اور معذور ہیں۔ کہ مسلمان بچیوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس سے پھر ہندو، سکھ عیسائی اور دوسری قومیں اپنی اپنی مذہبی تعلیم دینے کے لئے آپ کو مجبور کریں گی۔ تو کم از کم آپ اتنا ضرور کریں کہ جو مسلمان اپنے طور پر بچیوں کو تعلیم دلائیں۔ آپ انہیں مجبور نہ کریں۔ اور جو لوگ خوشی سے اسکولوں میں پڑھانا چاہیں۔ آپ اُن کے لئے علیحدہ سکول کھول دیں۔ تاکہ بچیوں کے اخلاق خراب نہ ہوں۔ اور اسکول سے فارغ ہو کر اپنی عصمت وعفت اور ایمان کو بچا کر ماں باپ کے گھر واپس جائیں۔ اور آپ اُن کے والدین کو یہ مژدہ سنا سکیں۔ کہ آپ کی پاک امانت ویسی ہی پاک رکھ کر واپس کر رہا ہوں۔ بلکہ مزید بر آں میں نے آپ پر یہ احسان کیا ہے۔ کہ اس معصومہ کو اُردو نوشت و خواند اور معمولی حساب و کتاب وغیرہ بھی پڑھا دیا ہے۔ اب دینی تعلیم تم آگے آسانی دے سکتے ہو

اب ذرا اس تعلیم کے محاسن و نقائص پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

جبری مخلوط تعلیم کے محاسن

۱۔ ہر امیر و غریب کے بچے بچیاں پڑھ جائینگے۔
۲۔ تعلیم کی بدولت دنیا کے حالات سے بذریعہ اخبار گھر بیٹھے اطلاع پا سکیں گے۔
۳۔ معاملات لین دین میں ظلم اور فریب کار ساہوکاروں کے پنجۂ ظلم سے نجات پائیں گے۔
۴۔ عورتیں بھی اپنے گھر کے آمد و خرچ کا باقاعدہ حساب رکھ سکینگی۔
۵۔ پڑھی لکھی بیویاں اور مائیں میسر آ سکیں گی۔

مخلوط تعلیم کے نقصانات

وزیر تعلیم پنجاب فرماتے ہیں۔ کہ چھ سے گیارہ سال تک کی عمر کی لڑکیاں اور چھ سے چودہ سال تک کے لڑکے اکٹھے پڑھ سکیں گے۔

۱۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے۔ کہ جس طرح آج کل داخلہ کے وقت مل کر ٹیچروں سے ہیر پھیر کر کے بچوں کی عمر سال دو سال کم لکھائی جاتی ہے۔ تا کہ آئندہ تعلیم یا ملازمت میں بچے کو اس کا فائدہ پہنچتا رہے۔ اس طرح بچیوں کے متعلق نہیں کیا جائیگا۔ پس اگر ۸ سالہ لڑکی کی عمر ۶ سال لکھا دی گئی

تو گو سرکاری کاغذات میں وہ ۱۱ سالہ کی عمر کی ہو گی۔ مگر اصلی عمر اس کی ۱۳ سال ہو گی۔ کیا یہ مراہق ہونے یا بلوغت کا زمانہ نہیں ہے۔ خصوصاً اگر لڑکی سال دو سال فیل بھی ہو گئی تو اس کی عمر یقیناً ۱۴-۱۵ سالہ ہو گی۔ اور کئی لڑکے ایسے ہوں گے۔ جو بعض جماعتوں میں فیل ہونے کے بعد ۱۴-۱۵ سالہ عمر کے ہو جائینگے۔ اس کے علاوہ جب تعلیم جدید کی ہوس کا بھوت سر پر سوار ہو گا۔ تو گیارہ سالہ عمر ہونے کے بعد کون کان سے پکڑ کر اسکول سے نکالے گا۔ اور جب ان مراہق لڑکے لڑکیوں کے دوستانہ تعلقات قائم ہوں گے۔ تو کیا اس کا علم وزیر تعلیم کو ہو سکتا ہے۔ یا ماں باپ کو کہ لڑکی کو کان سے پکڑ کر سکول سے باہر کر دیں۔ بلکہ ان ناجائز تعلقات کی بنا پر وہ اور زیادہ سکول کی تعلیم پر زور دیں گی۔ کیونکہ گھر کی چار دیواری میں قید رہنے کی بجائے اسکول کی زندگی "ہم خرما وہم ثواب" کا رنگ لائے گی۔ تعلیم کے نام سے بیک کرشمہ دو کار ہو جائیں گے۔

میں وزیر تعلیم کو دعوت دیتا ہوں۔ کہ وہ خود جا کر سکولوں کا دورہ کریں۔ اور جا کر دیکھیں۔ کیا بے شمار بچے زمانہ تعلیم پرائمری میں بالغ نہیں ہوتے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کی کیا ضرورت ہے

۲۔ فریفتگانِ مخلوط تعلیم سے سوال کرتا ہوں۔ کہ ماسٹر

صاحبان تو یقیناً جوان اور بالغ ہونگے - اور یہ بھی ضروری نہیں ہے۔ کہ وہ شادی شدہ ہوں۔ اگر شادی شدہ بھی ہوں۔ تو یہ بھی ضروری نہیں۔ کہ اُن کے اہل وعیال اُن کے پاس ہی ہوں - اس کے بعد بتلایئے - کہ جب مراہق یا بالغ لڑکیاں ان کی تحویل میں ایسی ہی ہوں گی۔ جس طرح گڈریئے کے پاس ریوڑ۔ شاگرد کو مجال نہیں کہ اُستاد کی حکم عدولی کر سکے۔ پھر اے دلدادگانِ مخلوطِ تعلیم ان بیکس بے بس بچیوں کو ماسٹروں کے پنجۂ ظلم و استبداد سے بچانے کے لئے آپ نے کیا تدبیر سوچی ہے۔

۳۔ رشیدہ باجی صاحبہ کے بیان درج شدہ ملاپ ۱۷ر جنوری ۱۹۴۰ء صفحہ ۳ کالم ۴ میں ہے:۔ یہ قانون پاس ہوگیا۔ تو دیہاتیوں پر ایک مصیبت آجائیگی۔ شہروں میں رہنے والے والدین تو امیر ہوتے ہیں۔ ان کی لڑکیاں موٹروں میں بیٹھ کر سکول جاتی ہیں۔ اور ان موٹروں میں مائیاں بھی ان کی حفاظت کے لئے ساتھ ہوتی ہیں۔ کیونکہ لوگ اپنے موٹر ڈرائیوروں پر بھروسہ نہیں کرتے۔"

ہم حامیان مخلوط تعلیم سے سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ دیہاتی سکولوں میں لڑکیوں کے لانے اور واپس پہنچانے کا کون انتظام کرے گا۔ خصوصاً بقول باجی رشیدہ

جب دنیا میں اس قدر بُرائی ہو چکی ہے۔ کہ لوگ گھر کے نوکر۔ موٹر ڈرائیور پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ تو مراہق اور بالغ لڑکیوں کے اکیلے گھروں سے آنے اور جانے میں پھر خدا ہی حافظ ہے۔

۴۔ دیہات کے سکولوں میں ایک اور لاعلاج مصیبت ہو گی کہ محکمۂ تعلیم ہر بستی میں سکول کھولنے سے یقیناً قاصر ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ جیسے کہ آج کل دیہات میں موجود ہے۔ کہ ایک بڑی بستی یا قصبے میں سکول ہوگا۔ اور میل میل دو دو میل سے لڑکے اور لڑکیوں کو آنا اور واپس جانا ہوگا۔ اے حامیانِ مخلوط تعلیم اپنے ضمیر سے پوچھ کر بتائیے۔ کہ کیا اس صورت میں بچوں کے اخلاق پاکیزہ رہ سکتے ہیں۔ یا بقول باجی رشیدہ یہ "قانون پاس ہو گیا۔ تو کتنی ہیر رانجھے اور سستی پنوں پیدا ہو جائیں گے" زمزم ۱۵ جنوری ۱۹۴۷ء)

۵۔ وزیر اعظم صاحب نے فرمایا ہے:" کہ ہمارے ملک میں مسجدوں میں بچے اور بچیاں اکٹھی پڑھتی چلی آئی ہیں"۔ زمزم ۱۵ جنوری ۱۹۴۷ء)

اگرچہ اس قسم کے مخلوط مکاتب غالباً دس فیصدی بھی نہیں نکلیں گے۔ لیکن چونکہ عام طور پر لڑکے امام صاحب کے

ہاں پڑھتے ہیں۔ اور لڑکیاں بڑی صاحبہ کے ہاں تعلیم پاتی ہیں۔ بہرحال اس رواج کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس طرزِ عمل کو پیشِ نظر رکھ کر جبری مخلوط تعلیم کی تجویز انصاف کے خلاف ہے۔ ان مکاتب سے جب والدین چاہیں۔ اپنی مصالح کی بنا پر بچیوں کو علیحدہ کر سکتے ہیں۔ اور موجودہ بل کے نفاذ کے بعد وہ سکول میں رکھنے کیلئے مجبور ہوں گے۔

۶۔ بلوغت سے قبل ہی بچیوں کو مذہبی تعلیم دی جا سکتی ہے جس کی میعاد ۵۔ ۶ سال کی عمر سے لے کر ۱۳۔ ۱۴ سالہ عمر تک ہے۔ اگر یہی وقت پنجاب یونیورسٹی نے لے لیا۔ اور یقین ہے۔ کہ سکولوں میں بچیوں کو ایسی تعلیم دی جائیگی جس کا کسی کے مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو۔ جیسا کہ آج کل سکولوں میں رواج ہے۔ تو مذہب سے بے بہرگی کا وہی نتیجہ نکلے گا۔ جو آج کل لڑکوں کی تعلیم سے نکلا ہوا ہے۔ آپ کو بیسیوں گریجوایٹ لاہور میں ایسے ملیں گے۔ جنہیں قرآن مجید کا تلفظ بھی نہیں آتا۔ چہ جائیکہ اس کے معانی اور مطالب کو سمجھ سکیں۔ اور اس جہالت کا نتیجہ وہی برآمد ہوگا۔ اور آج ہم لڑکوں میں دیکھ رہے ہیں، مذہب سے نفرت۔ حاملینِ مذہب سے نفرت۔ مساجد سے بُعد۔ تعلیمِ اسلام سے

کورسے اور ادھر ملازمت نہ ملنے کے باعث بیکار۔ بقول شاعر ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ٭ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

"اپنے آئینہ میں اپنا منہ"

اے حامیانِ مخلوط تعلیم! شاید آپ ہم پر یہ اعتراض کریں۔ کہ مولوی تنگ نظر اور تاریک خیال ہونیکے باعث ہماری قوم کو ترقی کے شاہراہ سے روکتے ہیں۔ ہم آپ کو آپ کا منہ آپ کے آئینہ ہی میں دکھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انگلستان کے مؤقر ماہنامہ" والدین" پیرنٹس میں مسٹر ڈاروتھی ہال بی اے۔ ایم آر ایس کا مضمون اور دورِ حاضرہ کے دو شاعروں کے خیالات ملاحظہ فرمایئے۔ کہ وہ موجود تعلیم اور مخلوط تعلیم کو کس قدر اخلاق کے لئے مخرب اور قوم کے حق میں مہلک خیال کرتے ہیں۔

ترجمہ مضمون مسٹر ڈاروتھی صاحب

مخلوطِ تعلیم کے فوائد پر غور کرتے ہوئے جو مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور اس طریقۂ تعلیم کو قابل بحث بناتی ہیں۔ ان کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ جنسی حالات اور نفسیات پر غور کیا جائے۔ سات سال کی عمر کے بعد وہ اختلافات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ جو ایک حد تک صدیوں

کی روایات پر مبنی ہیں۔ اور ایک حد تک فطری رجحانات پر۔
سات سال اور گیارہ سال کی عمر کا زمانہ تقلید اور نقل کا زمانہ
ہے۔ اس زمانہ میں مخلوط تعلیم کے خطرات بچیوں میں اس طرح
نمایاں ہوتے ہیں۔ کہ اُن میں مردوں کے سے اوصاف کی
طرف رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اور لڑکوں میں نسوانیت کی طرف
جوں جوں بلوغ کا زمانہ آتا ہے، دونوں اصناف کے جسمانی
اختلافات اُبھرنے لگتے ہیں، اور ہمیں اس بات پر غور کرنے
کی دعوت دیتے ہیں۔ کہ آیا دونو کو یکجا تعلیم دینا مناسب
ہے یا نہیں؟ یہ امر کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی جسمانی نشو و ارتقا
کے اختلاف کے باعث اس کا نامناسب ہونا طبی تحقیقات
کے ذریعہ سے اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے، چنانچہ مخلوط تعلیم
کے اسکولوں میں بھی لڑکوں اور لڑکیوں کو کھیلوں اور جسمانی
ورزشوں کے اوقات میں بارہ سال کی عمر کے بعد پوری طرح
جدا کر دینے کا رواج ہے۔ بالغ ہو جانے کے بعد مخلوط
تعلیم کی مشکلات خالص ذہنی اعتبار سے بھی نمایاں ہو چکی ہیں
اور یہ مشکلات بھی جسمانی اختلافات کے نشو و ارتقا پر مبنی ہیں
اس عمر میں لڑکی زیادہ طور پر اُن جسمانی تبدیلیوں کی بنا پر
جو اس کے جسم میں نمودار ہو رہی ہیں، بہت سی باتوں
سے رُک جاتی ہے۔ اور تعلیم کی طرف اس کا زیادہ رجحان

بالعموم اس بات پر منتج ہوتا ہے۔ کہ وہ لڑکوں کے ساتھ
ایک ہی کام میں مقابلہ کرنے کے ناقابل برداشت فرض
میں مصروف ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ اس معاملہ میں لڑکوں
ہیٹی ثابت ہوتی ہے۔ تو وہ خود کو اُن سے کمتر اور ناقص تر
سمجھنے لگتی ہے۔ حالانکہ یہی وہ چیز ہے۔ جو مخلوط تعلیم دور کرنا
چاہتی ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر صنف
کے لئے نہ صرف مضامین مختلف ہونے چاہئیں۔ بلکہ ایک
ہی مضمون کے متعلق نصاب تعلیم بھی مختلف ہونا چاہیئے۔ اس
کے علاوہ مخلوط تعلیم کے سکولوں میں تعلیم و تدریس کا مسئلہ
بھی ایک حقیقی مشکل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لڑکوں اور
لڑکیوں کو اکٹھی تعلیم دینے کے لئے زندگی پر ایک وسیع نظر
اور دونوں صنفوں کے طبائع کے گہرے مطالعہ کی ضرورت
ہے ایسے استاد کو ذہانت۔ ہمدردی۔ اور تجربہ میں مخصوص
قابلیت کا مالک ہونا چاہیئے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی خوش
طبعی میں بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک ماسٹر کا لڑکوں سے ایک
مذاقیہ فقرہ لڑکیوں کے لئے مختلف معنے رکھ سکتا ہے۔
لڑکے سخت انتظامی طریقوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ جو
لڑکیوں کے لئے نامناسب ہوتے ہیں۔

نیز لڑکیوں میں آزادانہ نقطہ نگاہ اور پہل کرنے کی

طاقتیں اور ذمہ داریاں برداشت کرنے کی قوت مفقود ہو جاتی ہے۔ اور جو جدا گانہ تعلیم میں پیدا ہوتی ہیں۔

آخری چیز یہ ہے۔ کہ مخلوط تعلیم اُن جذباتی مفاسد کو بھی دور نہیں کر سکتی۔ جو ظہور بلوغ کے وقت احساس جنسیت سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور جو بعض طبائع کے لئے تعلیم کی طرف توجہ کرنے میں مانع ہوتے ہیں۔ جس کی ضرورت چودہ اور اٹھارہ سال کی عمر میں سب سے زیادہ پڑتی ہے۔ نہ صرف لڑکے اور لڑکیوں میں روزانہ اختلاط کی وجہ سے جذباتی تعلقات قائم ہو جانے کا امکان ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ جو امر تعلیم اور نظم کے لئے سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ طالب علم اپنے استاد اور استانیوں کے مشتاق ہو جائینگے۔ اور یہ بات اس لئے اہم ہے۔ کہ بلوغ کے زمانہ میں جلد یا بدیر مضبوط ترین انسانی جذبات کے کار فرما ہونے کا قطعی امکان ہے۔

نفیس خلیلی

خطرناک تعلیم ہے ہوش کیجے
سیہ کاریوں کو نہ یوں مول لیجے

مجھے اسوۂ فاطمہ کی قسم ہے
وہ آتش ہے اخلاق جس سے بھسم ہے

میں سمجھی تجھے غیرت عیب جوئی
تمہاری طرح بھی نہ غافل ہو کوئی

حکومت کے ہمراہ مذہب بھی چھوڑا
تھا نامو س باقی سو دل اس کو پھوڑا

یہی ہے جو تعلیمِ نسواں تمہاری
یہی ہے جو ابلیس کی ہے سداری
یہی ہے جو انداز غفلت شعاری
تو آگاہ رہنا اجل کی ہے باری
وہ بدنام جلوہ گری کالجوں کی!
مسلمان لڑکی پری کالجوں کی
جو گھر سے چلی ایک فتنہ بپا ہے
چکا چوند میں ایک جہاں مبتلا ہے
نمائش کی خاطر وہ صورت چھپانا
وہ مصنوعی انداز میں شرم کھانا
نگاہیں لڑانا۔ ادائیں دکھانا
یہی ہے نئی روشنی کا زمانا
اسے آپ دورِ ترقی کہیں گے
غضب ہے یہ کب تک عقیدے رہیں گے

سکولوں میں یوں بھیجنا ناروا ہے
کھلی صنفِ نازک کے حق میں دغا ہے
نہیں ہے اگر حمل واغوا گوارا
تو اسکول و کالج سے کھینچو کنارا
ان آتشکدوں میں گراؤ نہ اس کو
یہ اہلِ جناں ہے جلاؤ نہ اس کو

حفیظ جالندھری

آؤ آنکھیں ہیں تو دیکھو صورتِ حالات کو
آؤ گوشِ ہوش سے سن لو سمجھ لو بات کو
دیکھتے ہو ملک میں قوموں نے کیا بدلا ہے رنگ
ہو گیا نذرِ ترقی دامنِ ناموس و ننگ
کس طرح لیجا رہی ہے ہم کو تہذیبِ جدید
پردہ رہنے کی نظر آتی نہیں کوئی امید
یہ ہماری مائیں بہنیں اور بیوی بچیاں
ہم سمجھتے ہیں انہیں اتنا مقدس بیگماں
اسقدر پاک و مقدس اتنی محبوب و عزیز
جسقدر عورت کی عفت ہے نہیں ہے کوئی چیز
ہم بچانا چاہتے ہیں ان کو چشمِ غیر سے
کیونکہ ہم واقف ہیں اس دنیا کے شر و خیر سے

یہ نمائش جس پہ اس دنیائے نَو کو ہے غرور
دخترانِ ملّتِ اسلام ہیں ان سے نفور
ہم نہ لائینگے انہیں اس امتحاں کی راہ میں
دل کے ٹکڑوں کو نہ رکھینگے نمائش گاہ میں
اب مسلمانوں میں بھی نکلے ہیں کچھ روشن خیال
جنکی نظروں میں حجابِ صنفِ نازک ہے وبال
چاہتے ہیں ماؤں بہنوں کو یہ عریاں دیکھنا
محفلیں آباد لیکن گھر کو ویراں دیکھنا
بادۂ تعلیمِ مغرب ہے جو ہوتے ہو خراب
کیا تمہیں مسرور کر سکتی نہیں ام الکتاب

ملک میں تعلیمِ موجودہ کا جو آئین ہے
دخترانِ ملّتِ بیضا کی یہ توہین ہے
ہو چکا ابتک جو فرزندانِ ملّت کیلئے
وہ بہت کافی ہے اس ملّت کی ذلّت کیلئے
کر دیا لڑکوں کو تم نے اسقدر روشن خیال
دیدۂ افلاس کی زینت ہے اب انکا جمال
بنتے جن آقاؤں کا انکو بنایا تھا غلام
اب وہ آقا بھی نہیں لیتے غلاموں کا سلام
کیا یہی تعلیم دوگے دخترانِ قوم کو
کیا اسی اُلجھن میں اُلجھاؤ گے جانِ قوم کو
کیا خدا کے فضل سے بھی ہو چکے ہو ناامید
کیا پیمبر سے بھی اب ملتی نہیں تم کو نوید
دوستو اللہ کا پیغام زندہ ہے ابھی
مر رہے ہو تم مگر اسلام زندہ ہے ابھی

اس مسئلہ کا صحیح حل

یہ ہے ۔ کہ بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا علیحدہ انتظام کیا جائے ۔ دراصل تعلیمِ نسواں سے کسی شخص کو بھی انکار نہیں ہوگا ۔ اعتراض فقط طریقہ تعلیم پر ہے ۔ اور اگر علیحدہ انتظام نہیں کیا جا سکتا ۔ تو پھر بچیوں کے لیے جبری طریقہ تعلیم ہرگز

رائج نہ کیا جائے اپنے شوق سے جو لوگ تعلیم دلانا چاہیں وہ بیشک دلائیں۔ ہمیں اُن سے محاسبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

ادارۂ تحریر انقلاب کے تعلقات ذمہ دارانِ حکومت پنجاب سے ماشاءاللہ نہایت ہی خوشگوار ہیں۔ لہٰذا جو بات انہوں نے انقلاب مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۴۰ء کالم ۳ پر تحریر فرمائی ہے۔ وہ بے بنیاد نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اونہوں نے چند سطور لکھ کر اس مشکل کو حل کر دیا ہے۔

اخبارات کا اثر

اخباری مضامین کے علاوہ اگر حکومت ملکی خبریں بھی ذرا غور سے پڑھے۔ تو اسے مخلوط تعلیم کے نتائج خود بخود معلوم ہو جائیں۔ اور ہمیں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مثلاً کراچی کی یہ خبر کہ ڈی جی سندھ کالج کے ارباب حل وعقد نے ۵۲ سال کی مخلوط تعلیم کے تجربہ کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ لڑکے لڑکیوں کو علیحدہ علیحدہ تعلیم دینی چاہیئے۔ کہ اس سے ڈسپلن بہتر ہوگا۔ ایک ایسی خبر ہے۔ جو حکومت پنجاب کے لئے بہترین راہنمائی کر سکتی ہے۔ کیونکہ ڈی جی سندھ کالج

کراچی ہی غالباً ہندوستان کا وہ پہلا کالج ہے۔ جہاں مخلوط تعلیم جاری ہوئی۔ اور جس کے منتظمین اب تجربہ بسیار کے بعد اس سے رجوع کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں حال ہی میں تمام اخبارات نے یہ خبر شائع کی ہے۔ کہ وڈالہ متصل مجیٹھ ضلع امرتسر میں ایک زرگر کی لڑکی کے ہاں بچہ تولد ہوا۔ ماں کی عمر پورے گیارہ سال ہے اس کی شادی پچھلے سال ہوئی تھی۔ خاوند کی عمر سولہ سال ہے۔ مگر لڑکی دس سالہ ہی حاملہ ہو گئی۔ اور گیارہویں سال اس کے بچہ پیدا ہو گیا۔ یہ بالکل تازہ واقعہ ہے۔ جو جنوری ۱۹۴۰ء کے پہلے ہفتہ میں وقوع پذیر ہوا۔ اور ایسے کئی ہی واقعات مختلف مقامات پر وقوع پذیر ہو چکے ہیں۔ جن سے حکومت سبق اخذ کر سکتی ہے۔

حکومت کی پوزیشن

حکومت بھی جانتی ہے۔ اور ہم بھی جانتے ہیں۔ کہ مشترکہ تعلیم مطلوب نہیں۔ بلکہ سردست چند مجبوریاں درپیش ہیں۔ اوّل یہ کہ لڑکیوں اور لڑکوں کے لئے ہر مقام پر الگ الگ مدرسے قائم کرنے کا خرچ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ دوم یہ کہ لڑکیوں کے لئے ضرورت کے مطابق استانیاں نہیں مل سکتیں۔ گویا اگر

استانیاں بقدر ضرورت مہیا ہو سکیں اور روپے کی
دقت نہ ہو۔ تو حکومت کبھی مشترکہ تعلیم کی تجویز پیش نہ
کرے۔ جب صورت یہ ہے۔ تو مشترکہ تعلیم کی تائید میں
خواہ مخواہ غیر متعلق واقعات کو مغالطہ انگیز صورت میں پیش
کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ صاف کہدیا جاتا۔ کہ یہ مجبوریاں
ہیں۔ اُن کو پیش نظر رکھ کر مناسب فیصلہ کر لیا جائے۔

نتیجہ صاف ہے۔ کہ وزراء حکومت دراصل ہمارے
مصالح سے دل میں اتفاق رکھتے ہیں۔ مگر "ہاتھی
کے دانت کھانے کے اور دکھانے اور" پر عمل ہو رہا ہے۔

حامیانِ مخلوط تعلیم سے آخری عرض داشت

میرے معزز بھائیو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد ہے:-

من سن سنہ حسنہ فلہ اجرھا واجر من
عمل بھا۔ ومن سن سنہ سیئۃً فعلیہ و
زرھا ووزر من عمل بھا۔

ترجمہ:- جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا۔
اس اچھے طریقہ کے جاری کرنے کا اُسے اجر ملے گا۔
اور جو شخص بھی اس طریقہ پر عمل کرے گا۔ اس کا اجر بھی
اس جاری کرنے والے کو ملتا رہے گا۔ (اس سے یہ

مراد نہیں ہے۔ کہ اس کام کرنے والے کا اجر اس بانی کو دے کر اُسے محروم کر دیا جائیگا۔ ہرگز نہیں بلکہ اچھی رسم جاری کرنے والے کو علیحدہ اجر ملیگا اور جس شخص نے کوئی بُرا طریقہ رائج کیا۔ تو اس پر جاری کرنے کا گناہ ہوگا۔ اور جس طرح اس برے طریقہ پر چلنے والے کو گناہ ہوگا۔ ایسا ہی اس جاری کرنیوالے کو گناہ ہوتا رہے گا۔

لہٰذا اے حامیانِ مخلوط تعلیم! جب تک اس خطرناک طریقہ تعلیم پر عمل ہوتا رہے گا۔ اور اس سلسلہ میں جو اخلاقی خرابیاں پیدا ہونگی۔ وہ سب تمہارے اعمال بد میں بھی شمار ہوں گی۔ اور قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے روبرو ان برائیوں کے جوابدہ ہوں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

گیارھواں خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اما بعد۔ قال اللہ تعالیٰ۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (بقرہ پارہ ۳ رکوع ۱۴)

ترجمہ:۔ اللہ ان لوگوں کا دوست ہے۔ جو ایمان لاتے ہیں۔ اُنہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں۔ اُن کے دوست شیطان ہیں۔ جو انہیں روشنی سے نکا کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ وہ لوگ دوزخی ہیں۔ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

برادرانِ اسلام:۔ آج کل مغربی تعلیم نے ہمیں دینی اور دنیاوی بیشمار نقصان پہنچائے ہیں۔ یورپ چونکہ لامذہب ہے۔ اس لیئے اس کے تمدن تہذیب اور معاشرت غرضیکہ ہر چیز میں لامذہبیت کی بُو پائی جاتی ہے ہماری تعلیم کی باگ ڈور مدت مدید سے یورپ کے ہاتھ میں چلی آرہی ہے۔ اس لیئے اُس نے عام طور پر ہمارے لیئے ملحد مزاج۔ دہریت پسند اساتذہ تیار کر رکھے ہیں۔ ان دہریت پسند اور لامذہب اساتذہ کی صحبت میں رہتے رہتے مسلمانوں میں یہ رنگ آگیا ہے۔ کہ جدید

تعلیمیافتہ طبقہ میں بکثرت اس خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو مذہب سے متنفر ہیں۔ مذہب کو ایک معنی اور لغو چیز خیال کرتے ہیں۔ بلکہ مذہب کو انسانی ترقی کے راستہ میں سنگ راہ سمجھتے ہیں۔ اس زہریلے تخیل کے نتائج تنیجہ کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے ۔ مثلاً نصاب تعلیم مذہب سے نفرت ۔ حاملین مذہب سے نفرت ۔ تعلیم گاہ مذہب مثلاً مساجد و مدارس اسلامیہ سے نفرت ۔ مذہبی کتابوں سے نفرت پابند مذہب مسلمانوں سے نفرت ۔ رشتہ داروں سے جو مذہبی خیال کے ہوں ۔ اُن سے نفرت علی ہذالقیاس۔

لامذہبیت اور سکول

در اصل ان لوگوں نے مذہب کو سمجھا ہی نہیں ۔ اگر مذہب کو سمجھتے ۔ تو اس سے کبھی نفرت نہ کرتے ۔ بلکہ مذہب کو اپنے لئے آب حیات خیال کرتے ۔ اور اس کے بغیر ایک لمحہ بھی زندگی کا بسر کرنا گوارا نہ کرتے ۔ مذہب ایک فطری چیز ہے ۔ جس طرح بھوک اور پیاس انسان کی فطری چیز ہے ۔ کہ کسی معلم کے تعلیم دیئے بغیر انسان خود اپنے اندرونی احساس سے بھوک اور پیاس کو محسوس کرتا ہے اسی طرح انسان کسی معلم کی تعلیم کے بغیر اپنے مادر زاد احساس کے ساتھ اس چیز کو محسوس کرتا ہے ۔

کہ میرا بنانے والا کوئی ضرور ہے۔ چنانچہ اگر آپ نے
اس مادر زاد احساس کا امتحان لینا ہو۔ تو پہاڑوں کی چوٹیوں
یا بیابانوں میں جا کر دیکھئے۔ اُن لوگوں میں بھی آپ اس
عقیدہ کو پائیں گے۔ کہ وہ ایک ایسی ہستی کو مانتے ہوئے
نظر آئیں گے۔ جسے نہ ہاتھ سے ٹٹول سکتے ہیں۔ نہ آنکھ
سے دیکھتے ہیں۔ نہ کان سے اس کی آواز سنتے ہیں۔ اس
کا نام بھی اپنی زبان میں کچھ نہ کچھ رکھ لیتے ہیں۔ یہ علیحدہ چیز
ہے۔ کہ جب اُن کے دل میں اس ذات کے دیدار کا جذبہ
موجزن ہوتا ہے۔ اور اس کے قرب کی خواہش اور تڑپ پیدا
ہوتی ہے۔ تو پھر کسی ظاہری چیز کو اس کا ٹھکانا مان لیتے
ہیں۔ اور پھر اپنے معبود حقیقی کی قیام گاہ سمجھ کر اس کی پوجا
شروع کر دیتے ہیں۔ اور جو تعلقات بندگی کے اپنے معبود
برحق سے قائم کرنے تھے۔ وہ سب اس چیز سے قائم
کر لیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ یہی ہمارا اصلی
معبود ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہ ہمارے معبود کی قیامگاہ
اور آرام گاہ ہے۔ ابتدائے عالم سے جس قدر بت پرست
شجر پرست یا حجر پرست گذرے ہیں۔ یا آجکل موجود ہیں۔
وہ سب کے سب اسی گھاٹی سے پھسلنے والے ہیں۔ اور
یہی اپنے خالق اور مالک کا تصور ہی مذہب کا سنگ بنیاد ہے

اور یہ ایک طبعی فطری مادرزاد احساس ہے۔ اس طبعی شے کے مٹانے کی کوشش ایک غیر فطری چیز ہے۔ جن لوگوں نے اس خیال کے مٹانے کی کوشش بھی کی ہے۔ وہ یقیناً ناکام رہے ہیں۔ چنانچہ آجکل روس دہریت کا علمبردار ہے۔ اس نے خدا تعالےٰ کے تصور کو بچوں کے دلوں سے مٹانے کیلئے بڑی کوشش کی۔ مگر پھر بھی اسے منہ کی کھانی پڑی۔ چنانچہ حکومت روس اور کمیونسٹ پارٹی کا سرکاری اخبار "پرادا" لکھتا ہے:۔

"بچوں کو لامذہبیت کی تعلیم دینے میں سکول عام طور پر قاصر رہے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بعض بچے جب سکول چھوڑتے ہیں۔ تو ان کے دل و دماغ مذہبی خیالات سے شرابور ہوتے ہیں۔

آگے چل کر "پرادا" لکھتا ہے:۔

"سوویٹ کی تحریک لامذہبیت کو ترقی دینے کیلئے روس کے جملہ اخبارات کی امداد حاصل کی گئی ہے۔ حکومت کو افسوس ہے۔ کہ اخبارات نے ابھی تک اس امر کا احساس نہیں کیا۔ کہ لامذہبیت کی تحریک ایک سرکاری تحریک ہے یہی وجہ ہے۔ کہ ایک سرکاری اندازہ کے مطابق ۱۹۳۹ء کے نصف اول میں بیرونجات کے ۴۱۳ اخبارات میں سے ایک میں بھی مذہب کے خلاف پروپیگنڈا کا ذکر نہیں تھا۔

منکرین مذہب ان اقتباسات کو آنکھیں کھول کر پڑھیں کہ بچوں کے دلوں سے تمام کوششوں کے باوجود مذہبیت کا خیال مٹایا نہیں جا سکا اور روس جیسی مخالف مذہب سلطنت کے دباؤ کے باوجود ۱۳۴ اخباروں میں سے ایک نے بھی مذہب کی مخالفت پر قلم نہیں اٹھایا۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ

اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ لا مذہبیت ایک غیر فطری اور غیر طبعی چیز ہے۔

مذہب کے فوائد

ا۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ مذہب ہی انسان کو در اصل انسان بناتا ہے۔ کیونکہ مذہب کا سنگ بنیاد یہ ہے۔ کہ اے انسان تیرا ایک خالق ہے۔ اور وہی تیرا مالک ہے۔ اور وہ ہر وقت ہر آن میں تیرے ساتھ موجود ہے تو اسے نہیں دیکھتا اور وہ تجھے دیکھتا ہے۔ تو اس کی باتیں نہیں سنتا اور وہ تیری ساری باتیں سنتا ہے۔ اور اس نے تم سے ایک دن تیری زندگی کے ایک ایک لمحہ کا حساب لینا ہے اور مال کے درآمد و برآمد میں بھی ایک ایک کوڑی کا وہ حساب لے گا۔ کہ تم نے کہاں سے مال لیا تھا۔ اور کہاں خرچ کیا تھا۔ ان خیالات کا یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ انسان چھپ کر بھی برائی کرنے سے بچتا ہے۔ اور اس کی جلوت

اور خلوت دونوں ہی پاک ہو جاتی ہیں۔ برائی پر طاقت رکھتے ہوئے برائی سے بچنا ہی انسان کا خاصہ ہے۔ ہر منصف مزاج اس خوبی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ اگر انسان کے اندر سے برائی نکل جائے۔ تو کیا دنیا ایک امن کا گہوارہ بن سکتی ہے موجودہ قومیں جو برسر اقتدار ہیں وہ ایک دوسری سے برسر پیکار ہیں۔ ہر طاقتور قوم کمزور کو تر نوالہ سمجھ کر نگل رہی ہے۔ اگر ان کے دل میں خدا کا تصور ہوتا۔ تو کیا یہ امن سوز اور برباد کن حرکتیں کر سکتی ہیں؟۔

۲۔ دوسری چیز مذہب یہ سکھاتا ہے۔ کہ تم سب ایک ہی ماں باپ سے پیدا شدہ ہو۔ پیدائشی طور پر کوئی کسی سے بلند و برتر نہیں ہے۔ ہاں دیانت، امانت، شرافت، للہیت خوف خدا۔ ایسے پاکیزہ جذبات کا حامل انسان دوسروں سے اعلیٰ اور افضل سمجھا جائے۔ یہ جنسی مساوات مذہبی تعلیم کا خاصہ ہے۔ چونکہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اس میں دیکھ لیجئے۔ اس مساوات کا روزانہ پانچ دفعہ منظر عام میں ثبوت دیا جاتا ہے چنانچہ تمام مسلمانوں کو پانچ دفعہ روزانہ مسجدوں میں بلایا جاتا ہے اور وہاں امیر و غریب شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ جو پہلے آئے وہ آگے کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو پیچھے آئے وہ پیچھے کھڑا

ہو جاتا ہے۔ اور اس سارے اجتماع میں صدر یعنی امام اسے بنایا جاتا ہے۔ جو قابلیت میں سب سے بہتر ہو۔ اس انتخاب میں قومیت دولت و ثروت یا وجاہت دنیاوی کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا نتیجہ یہ برآمد ہوا۔ کہ مذہب تمام انسانوں کو ایک سٹیج پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے۔ کہ یہ علامتیں ہم کھرے اور سچے مذہب اسلام کی تعلیم کی بتا رہے ہیں اور یہ مساوات کی تعلیم اس کے خدائی ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔ ہاں آپ کو دنیا میں کھوٹے اور غیر فطری اور غیر طبعی مذہب بھی ملیں گے۔ ہم اُن مذاہب کو خدائی نہیں سمجھتے اور ان گندم نما جو فروش مذاہب کے باعث اصلی اور سچے مذہب پر کوئی آنچ نہیں آ سکتی لہٰذا پھر ہم ببانگ دہل یہ کہیں گے کہ مذہب ہی انسان کو صحیح معنی میں انسان بناتا ہے۔ اور درندگی کے اوصاف سے بچاتا ہے۔

۳۔ مذہب ہی انسان کو حیا اور شرم کا سبق پڑھاتا ہے اگر انسان پر مذہب کا رنگ چڑھ جائے۔ تو وہ باحیا اور شریف ہو گا۔ ورنہ مذہب کے مخالف موجودہ یورپ کا رنگ دیکھ لیجئے۔ کہ کیا ہے۔ مثلاً :-

(الف) اجنبی عورتوں اور مردوں کا باہمی بغلگیر ہو کر ناچنا۔

(ب) نیم برہنہ ہو کر عورتوں اور مردوں کا اکٹھا غسل کرنا
(ج) سب کپڑے اتار کر مادر زاد ننگی ہو کر مردوں کے بھرے مجمع میں عورتوں کا ناچنا وغیرہ وغیرہ۔
ان بے حیائیوں کے باوجود اپنے آپ کو مہذب انسان کہنا یہ فطرت کے مسخ ہونے کی علامت ہے۔ اللہم اعذنا منہ
اب آیئے دیکھیں کہ مذہب ہمیں کیسی تعلیم دیتا ہے اسلام کی تعلیم یہ ہے۔ کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے سوا کسی عورت کو غور سے نہ دیکھے۔ اور یہ کہ عورت سوائے اپنے خاوند کے دوسرے مرد کو نگاہ اٹھا کر دیکھنے نہ پائے اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ کسی کی طبیعت میں بھی بے موقعہ جذبات طبعیہ میں ہیجان پیدا نہیں ہوگا۔ اور نہ عملی بدکاری تک نوبت پہنچے گی۔
۴۔ مذہب ہی انسان کو ہر قسم کے ظلم سے روکتا ہے۔ اور کوئی کسی کو مالی اور بدنی نقصان نہ پہنچائے۔
چنانچہ مالی نقصان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔
لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ: ترجمہ۔ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔
اور بدنی نقصان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔
وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا

فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيْمًا

ترجمہ:۔ جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ تو اُس کی سزا دوزخ ہے۔ اس میں ہمیشہ رہیگا اور اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہے۔ اور خدا کی اس پر لعنت ہے۔ اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کیا ہے۔

لہٰذا جو انسان مذہب کا پابند ہوگا۔ وہ کسی کو مالی یا بدنی نقصان نہیں پہنچائیگا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا خوف اور اس کی گرفت کا ڈر اُن ظلموں سے انسان کو باز رکھے گا۔ ورنہ اگر خوف خدا نہ ہو۔ تو انسان جیسا ظالم موذی، شریر اور فتنہ انگیز آپ کو کوئی درندہ بھی نظر نہیں آئے گا۔ چنانچہ ہمارے دعویٰ پر اگر آپ چاہیں تو یورپ کی موجودہ حالت اس پر شاہد عدل اور بہترین گواہ ملے گی۔

دُعا:۔ اللہ تعالےٰ تمام انسانوں کو مذہب اسلام کا پابند بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو خدا تعالیٰ کا سب سے آخری اور قیامت تک زندہ رہنے والا پیغام ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ ۔

بارھواں خطبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

امابعد قال اللہ تعالیٰ:۔ وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (آل عمران رکوع ۱۴)

ترجمہ:۔ اے مسلمانو! اپنے رب کی بخشش کی طرف جلدی دوڑو۔ اور اس بہشت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین ہے۔ جو پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

برادرانِ اسلام:۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ جمعہ کے دن رحمتِ الٰہی کے دروازے کھلتے ہیں۔ اور عفوِ عام کا اعلان عام ہوتا ہے۔ مؤذن اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر گنہگاروں کو بابانگ دہل پکارتا ہے۔ کہ اے گنہگارو! اگر گناہوں کی آلودگیوں سے پاک اور صاف ہونا چاہتے ہو۔ تو آؤ رحمتِ الٰہی تمہیں اپنے پردۂ عاطفت میں پناہ دینے کے لئے تیار ہے۔ اور تمہارے گناہوں پر قلمِ عفو پھیر کر تمہیں عذاب دوزخ سے بری کرنے کے لئے بیتاب ہے۔ آؤ۔ آؤ۔ جو آئیگا۔ وہ خالی نہیں جائے گا۔

کم ازکم دس دن کے گناہوں سے خلاصی کا تمغہ پائیگا اسی بنا پر مَیں کہہ سکتا ہوں۔ کہ جمعہ مسلمانوں کی عید ہے بایں معنی کہ:۔

لیس العید لمن لبس الجدید انما العید لمن خاف وعید۔ ترجمہ:۔ عید اس کی نہیں جو فقط نئے کپڑے پہن لے بلکہ عید۔ اس کی ہے جو اللہ کے عذاب سے ڈرے۔

خطیب کا فرض

لہٰذا خطیب جمعہ کا فرض ہے کہ مسلمانوں کی حالت پر تنقیدی نگاہ ڈالے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے حالات کی جانچ پڑتال کرے۔ جو چیز قابل اصلاح ہو۔ اُس کی طرف توجہ دلائے۔ اُس کے متعلقہ احکام کتاب و سنت سے انتخاب کر کے حاضرین کو سنائے پوری کوشش کر کے انہیں ذہن نشین کرائے۔ تا کہ اُن پر اتمام حجت ہو جائے۔ قیامت کے دن یہ نہ کہنے پائیں۔ رَبَّنَا مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِیْرٍ۔ ترجمہ ہمارے رب۔ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

میرے معزز بھائیو اور بہنو۔ میں اس مذکورالصدر اصول کو ہر جمعہ میں پیش نظر رکھ کر آتا ہوں۔

اور حسب ضرورت کوئی نہ کوئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا ہوں۔ میری آج کی عرضداشت کا خلاصہ یہ ہے:۔

"قرب اِلی اللہ میں سب سے بڑھ جاؤ"

چنانچہ شروع خطبہ میں جس آیت کی تلاوت کی گئی ہے اُس میں آپ غور کریں گے۔ تو یہ مضمون باسانی آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔

میرے معزز بھائیو اور بہنو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں پیدا کر کے بے شمار خواہشاتِ نفسانی میں جکڑ دیا ہے، مثلاً کھانا۔ پینا۔ پہننا۔ کمانا۔ نکاح کرنا۔ بچے جننا مکان بنانا وغیرہ۔

اگر انسان کا تعلق انبیاء علیہم السلام سے نہ ہو۔ تو اس کے جذبات اس کے خیالات اس کے تمام اقوال اور افعال فقط ضروریاتِ دنیا ہی کے اندر غرق ہو کر رہ جاتے ہیں اُسے فقط دنیا ہی مقصود۔ دنیا ہی مطلوب، دنیا ہی محبوب نظر آتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط (حدید رکوع ۳)

ترجمہ:۔ جان لو دنیا سوائے اس کے کچھ نہیں کہ

کھیل اور تماشہ اور ظاہری بناؤ سنگار اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش کرنا۔

حاصل اس بات کا یہ نکلا۔ کہ ایک دنیا دار کی دن رات کی کوشش کا نتیجہ ایک کھیل اور تماشا ہے۔ جس طرح کھلاڑی تھوڑی دیر کی تفریح طبع کے بعد خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے خالی ہاتھ آیا تھا۔ اسی طرح ایک دنیا پرست اِس جہان سے رخصت ہوتے وقت کھلاڑی کی طرح نیکیوں سے خالی ہاتھ جائے گا۔ ہاں گناہوں کے انبار البتہ اپنے ساتھ لے جائیگا۔ جس طرح کہ کھلاڑی کو بعض اوقات کھیل میں کوئی چوٹ لگ جاتی ہے۔ یا ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔ یا اُس کی چوری ہو جاتی ہے۔ اور وہ بجائے نفع کے دستِ حسرت ملتا ہوا جاتا ہے۔ اسی طرح بدنصیب دنیا پرست بہت بڑا بوجھ اُٹھا کر دنیا سے جائیگا۔ اپنی سیاہ کاریوں کے بوجھ کے علاوہ اُن لوگوں کے گناہوں کا بھی یہ ذمہ دار ٹھیرایا جائیگا۔ جو اسے دیکھ کر گمراہ ہوئے۔ مثلاً اس کی بیوی بچے۔ یا جنہیں اُس نے راہِ راست سے ہٹا کر اپنے ساتھ ملایا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ مَّاذَا اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ○ لِیَحْمِلُوْا اَوْزَارَھُمْ کَامِلَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَھُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ○ (نحل رکوع ۳)

ترجمہ:۔ اور جب اُن سے سوال کیا جاتا ہے۔ کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے۔ کہتے ہیں۔ (یہ قرآن) پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔ (اُن کے اس کہنے کا نتیجہ یہ نکلے گا۔) کہ قیامت کے دن وہ اپنے گناہوں کا پورا بوجھ اُٹھائیں گے۔ اور اُن لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اُٹھائیں گے۔ جنہیں یہ جہالت کے باعث گمراہ کر رہے ہیں۔ خبردار بری ہے وہ چیز جو اٹھائیں گے۔

منشاء الٰہی

یہ ہے۔ کہ چونکہ یہ جہان فانی ہے۔ اور آخرت کی زندگی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ انسان نے یہاں چند روزہ رہ کر دوسرے جہان میں چلے جانا ہے۔ اور دوسرے جہان میں آرام پانے کے لئے زادِ راہ یہاں سے لے کر جانا ہے۔ اسے متنبہ اور خبردار کیا جائے۔ کہ تو دنیا پرست نہ بن۔ دنیا کے کھیل و تماشا سے اپنی توجہ ہٹا۔ اور آخرت سے اپنی لو لگا۔ اور دنیا میں مال و متاع کی بہتات اور اولاد کی کثرت کا خواہشمند نہ بن۔ بلکہ نکوکاری۔

صلاحیت اور سعادت کا سرمایہ جمع کرلے رتا کہ اس عارضی ۔ بے بقا اور فانی زندگی سے گزر کر جب تو ابدی اور دائمی زندگی والے جہان میں جاتے ۔ تو وہاں آرام پائے ۔ اور تیری وہاں کی زندگی خوشگوار اور خوشحال ہو جائے ۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے ۔

وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (آل عمران رکوع ۱۴)

حاصل اس آیت کا یہ ہے ۔ کہ اے مسلمانو! تم میں سے ہر ایک اس امر کی کوشش کرے کہ خدا تعالیٰ کی مغفرت حاصل کرنے میں دوسروں سے بڑھ جائے ۔ یعنی اول تو گناہ ہی نہ کرے ۔ اور اگر بالفرض گناہ ہو جائے تو یہ خیال کرے ۔ کہ میں ہر گناہ کے ساتھ مغفرت الٰہی کا ضمیمہ لگا دوں ۔ تاکہ کوئی باقی رہنے ہی نہ پائے ۔ اور میرا مقام اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں والا یعنے بہشت ہو جائے ۔

خطرناک دَور

برادرانِ اسلام! جس دَور زمانہ میں ہم مسلمانانِ ہندوستان گذر رہے ہیں ۔ یہ ایک نہایت ہی خطرناک دَور ہے ۔ کیونکہ قانونِ قدرت یہ ہے ۔ کہ جس طرح

بے سمجھ۔ غیر مآل اندیش اور ناتجربہ کار بچوں کے لئے اللہ تعالےٰ والدین کو نگران و محافظ بناتے ہیں۔ اسی طرح رعایا کے ایمان اور اسلام کی حفاظت کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو بنایا ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ سلم کا ارشاد واجب الاعتقاد ہے کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِہٖ (تم میں سے ہر حاکم چرواہا ہے، اور اس سے اپنی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی)

اس لئے بادشاہِ اسلام رعایا کی جان اور مال اور عزت کی حفاظت کے علاوہ اُن کے ایمان اور اسلام کا محافظ اور ذمہ دار بھی اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔ پھر آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جس چیز کی حفاظت کا ذمہ بادشاہ اُٹھا لے۔ وہ کیسی عمدگی سے نباہی جائیگی۔ کسی شخص کو مجال نہیں ہوگی۔ کہ اس کی مخالفت کرے اور اگر کریگا۔ تو جیل کی ہوا کھائیگا۔

ہندوستانیوں کی مثال

بطور مثال دیکھ لیجئے۔ کہ ہندوستان میں آزادی کا ڈھول پیٹا جارہا ہے۔ اور جدید تعلیمیافتہ نوجوان عموماً اس شمع آزادی کا پروانہ نظر آتا ہے۔ مگر کبھی آپ نے غور کرکے دیکھا کہ وہ فقط اسلام اور اس کے احکام سے آزاد ہو رہا ہے۔ مذہب کی پابندیوں سے آزادی پر فخر کر رہا ہے۔ لیکن تعزیرات ہند کی دفعات کا وہ ایسا ہی وفادار ہے۔ جسطرح کہ ایک بے بس غلام کو

اپنے آقا کا وفادار ہونا چاہیئے۔ دل میں خواہ ہزار اعتراض ہوں لیکن وہ یقیناً جانتا ہے۔ کہ اگر میں نے آقا کی حکم عدولی کی۔ تو تو جوتوں اور ڈنڈوں سے میری خاطر خواہ تواضع ہوگی۔ اس لیئے بقول شخصے "ڈرتا ہر ہر کرتا" وہ بیچارا آقا کی آواز پر جی حضور کہہ کر اُٹھ دوڑتا ہے۔ اور نیاز سے سر جھکا کر "حضور کا ارشاد" کہہ کر حکم دریافت کرتا ہے۔ اور ڈنڈے کے خوف سے بظاہر بڑے شوق سے تعمیل حکم کر دیتا ہے۔ بعینہٖ یہی حال آزاد منش نوجوان کا ہے۔ کہ احکام اسلام میں ہزاروں حیلے۔ بہانے اور کٹ حجتیاں نکالتا ہے۔ کہ مولوی نے آجتک اسلام کو سمجھا ہی نہیں تھا۔ اصلی اسلام وہ نہیں ہے۔ جو علما پیش کرتے ہیں۔ جس میں نماز روزہ وغیرہ سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ اور مولوی ایسا تنگ خیال ہے۔ کہ آنکھ پر پابندی، کان پر پابندی۔ زبان پر پابندی۔ ہاتھ پر پابندی پاؤں پر پابندی۔ دن کی پابندی۔ رات کی پابندی۔ غرضیکہ اس نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ اس لیئے اس تنگ خیال۔ تنگ نظر۔ اور دقیانوسی اسلام سے ہم باز آئے۔ اس کے بالمقابل تعزیرات ہند کی حفاظت کیلئے چونکہ گورنمنٹ برطانیہ کا ڈنڈا سر پر نظر آرہا ہے۔ لال پگڑی والے گلی کوچوں اور چوکوں میں گشت کرتے نظر آتے ہیں۔ تعزیرات ہند کی مخالفت کرنے والے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن کر جیلوں کی ہوا کھاتے نظر آتے ہیں۔ اسلئے "دیوانہ بکارِ خویش

ہشیار! اس آزاد منش نوجوان کے دماغ پر تعزیرات ہند سے آزادی کا بھوت کبھی سوار نہیں ہوتا، کیونکہ آزادی کا بھوت جانتا ہے، کہ اگر میں نے تعزیرات ہند سے آزادی کی بکواس کرائی۔ تو ابھی اس آسیب سے نجات دلانے والے عامل (یعنے پولیس) ڈنڈے اور ہتھکڑیاں لے کر میرے گرد جمع ہو جائینگے۔ اور جب تک یہ بھوت میرے دماغ سے نہیں نکلیگا۔ یہ جھاڑ پھونک کرنیوالے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ نوکری بھی جائیگی، بےعزت بھی ہونگے، اس سے چپ ہی بھلی ہے۔ بھائی جان! تعزیرات ہند کی طرح اگر اسلام اور اُس کے قانون یعنی قرآن کا محافظ بھی کوئی ڈنڈے والا ہوتا۔ تو پھر آپ اسلام کے احکام کو بھی "جی حضور" کہہ کر سنتے، اور فدا کار اور جان نثار غلام کی طرح اُس کے احکام بجا لاتے، اور محافظ اسلام بادشاہ کے سامنے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اسلام کے علمبردار اور مونس و غمخوار اپنے آپ کو ظاہر کرتے۔ آپ مادرزاد مسلمان تو اسلام کی وفاداری کا دم یقیناً بھرتے، بلکہ دشمنانِ اسلام کی کھلم کھلا مخالفت کرتے۔ آپ کو یاد ہے، کہ بہادرانِ اسلام نے ابتداءً جب قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تھا۔ تو پھر اپنی کسی مصلحت کی بنا پر محاصرہ اُٹھا لیا اور اُن دِنوں میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنے سید المرسلین، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدنی میزبان کا انتقال وہیں ہوا۔ تو شاہ قسطنطنیہ نے کہا، کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی قبر کو ہم اُکھاڑ پھینکینگے، مسلمانوں نے للکار کر جواب دیا۔ کہ اگر ابو ایوب انصاری کی قبر اُکھاڑی گئی۔ تو یاد رکھو۔ کہ بیت المقدس میں تمہارے بزرگوں کی ایک قبر بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس دھمکی کا نتیجہ یہ نکلا کہ آجتک قسطنطنیہ میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مزار موجود ہے۔

ایک مثال

برادرانِ اسلام! ہندوستان میں ہم مسلمانوں کی مثال اُن یتیم بچوں کی سی ہے۔ جن کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ جائے، اب ہر بچہ آزاد اور آوارہ ہے، چونکہ باپ کا رعب اور ڈنڈا سر پر نہیں ہے، اسلئے اگر ان بچوں میں سے کوئی بھائی بہن عقلمند بھی ہو۔ اور چھوٹے بھائیوں کو کوئی بات سمجھائے۔ تو وہ اس کا کہا نہیں مانتے۔ الٹا دو چار بچے اس کے سامنے کر دیتے ہیں۔ وہ اُٹھنے۔ بیٹھنے۔ کھانے۔ پینے۔ سونے، جاگنے۔ آوارہ محلوں میں آنے جانے، بیہودہ اور بداخلاق آدمیوں کی صحبتوں میں بیٹھنے میں بالکل آزاد ہیں، وہ بچے یہ خیال کرتے ہیں۔ اچھا ہُوا۔ کہ ہمارا نگران اور مارنے پیٹنے والا کوئی نہیں، وہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ ہماری یہ آوارگی ہمارے لئے مہلک ہے، اور ہم تباہی کے گھاٹ اُترے جا رہے ہیں۔ بعینہٖ یہی حال ہم مسلمانوں کا ہے۔ اگر ہمارے سروں پر روحانی باپ یعنے مسلمان بادشاہ ہوتا۔ تو ہم اس قدر آوارہ نہ ہوتے، اور نہ اس قدر اسلامی عبادات، اخلاق، تمدن اور معاشرت سے بیگانہ ہوتے، اب

توہماری حالت ان اشعار کی مصداق ہے۔ ؎

طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا ✻ اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ✻ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مسلمان کے لئے ایک نصیحت

برادرانِ اسلام: یہ مانا کہ ہمارا روحانی باپ یعنی بادشاہِ اسلام ہندوستان میں کوئی نہیں۔ لیکن آپ نے ایسی نظیریں کبھی نہیں دیکھیں۔ کہ ہونہار اور سمجھدار بچے اپنی سمجھ اور مآل اندیشی سے کام نہ لیتے ہوئے وقت ضائع کرتے ہوں۔ وہ کسب کمال کے لئے بڑی محنت کرتے ہیں۔ بالآخرہ باکمال ہو کر اپنے ہمعصروں میں عزت کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ایسے بچوں کا کمال اور زیادہ قابلِ داد ہوتا ہے۔ اسی طرح ہمارا بھی فرض ہے۔ کہ ہم اپنا وقت ضائع نہ کریں۔ اور جس کمال کے حاصل کرنے کے لئے ہمارے خالق نے ہمیں درسگاہِ دنیا میں بھجوایا ہے۔ اسے حاصل کرنے میں پوری محنت اور جانفشانی سے کام لیں۔ اور وہ کمال عبادت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔

ترجمہ:۔ میں نے جنوں اور انسانوں کو سوائے عبادت کے اور کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا۔

لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ اپنی خلقت کے مقصد کو بھولنے نہ پائے۔ اور اس ناپائیدار دنیا میں رہنے سہنے کے باعث اسے جو وقتی ضرورتیں پیش آتی ہیں۔ اُن سے فارغ ہونے کے بعد اپنے مقصد خلقت کی تکمیل میں مصروف ہو جائے۔ مثلاً جب تک انسان اس جہان فانی میں موجود ہے۔ اس وقت تک کھانے۔ پینے۔ پہننے کی اسے اشد ضرورت ہے بیشک ان حاجتوں کو پورا کرے۔ اور چونکہ روپے کے بغیر یہ چیزیں میسّر نہیں آ سکتیں۔ اس لئے بیشک روپیہ کمائے۔ مگر کمانے اور کھانے کے بعد جب فراغت پائے۔ تو دنیا کے کھیل و تماشہ ہی میں غرق نہ ہو جائے۔ بلکہ تکمیل مقصدِ زندگی۔ یعنی عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو جائے۔ اور جس طرح ایک دنیا پرست کاروبار دنیا میں غرق اور ایک دوسرے سے جاہ و جلال۔ عزت و عظمت میں بڑھنے کا شیدائی ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک کلمہ گو مسلمان کا فرض ہے۔ کہ دنیا کی ضرورتوں سے فراغت حاصل کر کے اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مصروف ہو جائے اور دل میں یہ آرزو رکھے۔ خدا کرے۔ کہ میں بندگی کا حق ادا کرنے میں سب سے آگے بڑھ جاؤں۔ طہارت و عبادت زہد و تقویٰ۔ صداقت و امانت۔ دیانت و شرافت غرضیکہ تمام

خوبیوں میں میرا نمبر سب سے آگے بڑھا ہؤا ہو۔ اور جب ساری عمر کی کارگذاری کا امتحان قیامت کے دن لیا جائے تو میرا نمبر سب سے اوّل آئے۔ اور مقام عبدیت میں میرا مرتبہ سب سے بلند ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو یہ نظریہ ہروقت پیشِ نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین۔

ایک غلطی

مَیں دیکھ رہا ہوں۔ کہ نوجوان مسلمان ایک سخت غلطی میں مبتلا ہو رہا ہے۔ اُسے کرنا تو یہ چاہیئے تھا۔ کہ حسب ارشادِ خداوندی لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (تمہارے لئے رسولُ اللہ میں اچھا نمونہ موجود ہے۔) اپنی صورت اور سیرت۔ اپنے عادات اور اطوار۔ اپنے رسم اور رواج۔ اپنے تمدّن اور معاشرت اور اپنی سیاست میں سیدالمرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا دلیل راہ بناتا۔ اور جلوت و خلوت میں حضورؐ کی پیروی کو شمع ہدایت خیال کرتا۔ مگر مسلمان اس سیدھے راستہ کو چھوڑ کر بھٹک رہا ہے۔ اب مسلمان کے پیش نظر یورپ کا نمونہ ہے۔ گویا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے اب یورپ اس کا

ہادی، راہ نما اور پیشوا ہے۔ اب جو چیز یورپ سے آئے خواہ وہ کتنی مضر اور ہلک کیوں نہ ہو اس پر آنکھیں بند کر کے صاد کر دیتا ہے۔ اور جو چیز اسلام کے نام سے اسے پیش کی جائے۔ اس کے تسلیم کرنے میں طرح طرح کے بہانے بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گمراہی کے اس بھنور سے نکلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انہیں سیدھا راستہ دکھائے۔ نیکی کی توفیق دے۔ اور برائی سے بچائے۔ آمین یا الہ العالمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

تیرھواں خطبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اما بعد قال اللہ تعالیٰ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ط

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ سے حق کرنے کا ڈرو، اور تمہیں موت نہ آئے، مگر ایسے حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

خدا کی امانت

برادران اسلام! اللہ تعالےٰ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ایک امانت عطا فرمائی ہے۔ جسکا نام اسلام ہے۔ جس کے احکام کا مجموعہ قرآن ہے جس پر عمل کرکے دکھانے کے لئے جو عامل آیا ہے اس کا نام نامی اور اسم گرامی محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اس کے نقش قدم پر چلنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ط ترجمہ: تمہارے لئے (اے مسلمانو) رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے۔ جو شخص اللہ تعالےٰ سے ملنے اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہے۔

مسلمان کے نام کی قدامت

برادرانِ اسلام:۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے نام زمانہ قدیم یعنے تقریباً آج سے چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے امت مسلمہ رکھا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ کہ مذکور الصدر دونو انبیاء علیہما السلام نے یہ دعا کی تھی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (الآیۃ)

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک فرمانبردار جماعت پیدا کر۔

اس کے بعد دونوں حضرات دُعا کرتے ہیں۔ کہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

ترجمہ:۔ اے ہمارے رب اور اس امت مسلمہ میں ایک رسول بھیج۔ جو اُن پر تیری آیتیں پڑھے اور ان کو کتاب (یعنی قرآن) سکھائے اور دانشمند بنائے اور انہیں پاک کرے۔ بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔

لہذا مسلمان کا فرض ہے، کہ اپنے پیغمبروں کے رکھے ہوئے نام کی لاج رکھ دکھائے۔ یعنے اپنے اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے بولنے چالنے، دینے لینے۔ راحت و رنج، شادی غمی غرضیکہ دن اور رات کے اپنے ہر عمل حیات میں اطاعت اور فرمانبرداری الٰہی کو اپنا شعار بنائے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی کام کرنے نہ پائے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچا، پکا، کھرا اور اصلی مسلمان

سمجھا جائے۔ اور اس سچائی کے باعث سچے مسلمان کی فہرست میں شامل ہو کر مندرجہ ذیل خوشخبری پائے۔
بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

ترجمہ:۔ ہاں۔ جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ درآنحالیکہ وہ نیکوکار ہو۔ تو اس کے لئے اللہ کے ہاں اجر ہے۔ اور ایسے لوگوں پر کوئی خوف نہیں ہے۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

سچے مسلمان کا نمونہ

میرے معزز بھائیو! میں آپ کے سامنے قرآن حکیم سے ایک سچے مسلمان کا نمونہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ ہم بھی اپنے آپ کو اس نمونہ پر لا سکیں۔ ارشاد ہے:۔ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ترجمہ:۔ اور کون ہے جو ابراہیم کے دین سے منہ موڑے۔ سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو بیوقوف بنا لیا ہو۔ اور البتہ تحقیق ہم نے اسے دنیا میں

برگزیدہ کیا ہے۔ اور بیشک وہ آخرت میں نیکو کاروں میں ہوگا۔ جب کہ اُس کے رب نے اسے کہا۔ فرمانبردار ہو جا۔ اُس نے جواب دیا۔ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہو گیا

حاصل اس فرمانِ الٰہی کا یہ نکلا۔ کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے سچّے اور کھرے مسلمان ہیں۔

میرے معزز بھائیو اور بہنو! ہمیں ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ اختیار کرنے کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ (الآیۃ)

ترجمہ:۔ اے مسلمانو! تمہارے لئے ابراہیم (علیہ السلام) میں بہت اچھا نمونہ ہے۔

اب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی پر ایک نظر کیجئے۔ اور دیکھئے۔ کہ انہیں کن کن امتحانات میں مبتلا ہونا پڑا رہا تاکہ ہم بھی اُن کا نمونہ اختیار کر کے سچّے مسلمان بن سکیں۔

پہلا امتحان "جان کی قربانی"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام ماسوی اللہ سے تعلق توڑ کر ایک خدائے قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ سے عبدیت کا تعلق جوڑنے کا اعلان فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں وہ اعلان بایں الفاظ موجود ہے:۔

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔

ترجمہ:۔ مَیں نے اپنے مُنہ (یعنی اپنے آپ) کو اس اللہ کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے ہیں اور مَیں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اس اعلان کے بعد انہوں نے اپنی قوم کو بُت پرستی سے منع کرنا شروع کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی صدائے حق پر جب انہوں نے لبیک نہ کہی۔ اور شرک و بت پرستی سے باز نہ آئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے انہیں دھمکی دی۔ کہ مَیں کسی وقت تمہارے بتوں کی خبر لونگا۔ چنانچہ ایک دن وہ لوگ اپنا تہوار منانے کے لئے جب شہر سے باہر نکل گئے۔ اور بُت خانہ میں بتوں کے سامنے کئی قسموں کے کھانے پکا کر تبرک حاصل کرنے کے خیال سے رکھ گئے۔ تاکہ واپس آکر یہ تبرک اُٹھائیں گے۔ تو ابراہیم علیہ السلام بت خانہ کو پجاریوں سے خالی پاکر اندر گھس گئے۔ سوائے ایک بڑے بُت کے سب کو توڑ ڈالا۔ جب وہ لوگ لوٹ کر شہر میں آئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ سوائے ایک بڑے بُت کے باقی سب ٹکڑے ٹکڑے ہیں۔ آپس میں تفتیش کرنے

لگے۔ کسی نے کہہ دیا۔ کہ ایک نوجوان اِن کے متعلق اچھے خیال نہیں رکھتا۔ اُس کا نام ابراھیم ہے۔ یہ رائے ٹھیری کہ اُسے پکڑ کر لوگوں کے سامنے لا کر پوچھو۔ چنانچہ جب حضرت ابراھیم علیہ السلام لائے گئے۔ تو اس بڑے مجمع میں اُن سے سوالات کئے گئے۔ کیا تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ ناروا حرکت کی ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا۔ باقی تو کٹ گئے۔ یہ بڑا تو موجود ہے۔ اس سے پوچھو۔ اگر تمہارے خدا کچھ بول سکتے ہیں سب شرمندہ ہو کر آپس میں کہنے لگے۔ واقعی تم بے انصاف ہو پھر شرم کے مارے ابراہیم علیہ السلام سے آنکھ تو ملا نہیں سکتے تھے۔ سر جھکا کر کہتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ ہمارے معبود بات نہیں کر سکتے۔ ابراہیم علیہ السلام بولے۔ اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر تم نے معبود بھی ایسوں کو بنایا۔ جن کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ کسی قسم کا نفع یا نقصان تمہیں نہیں پہنچا سکتے بالآخر وہ لوگ گفتگو میں جب لاجواب ہوئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ اپنے بتوں کا بدلہ اس طرح لیں۔ کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے۔ مفسرین حضرات کا بیان ہے

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے لئے جو بھٹہ تیار کیا گیا تھا۔ اس کی دیواروں کی اونچائی تیس[۳۰] ہاتھ تھی اور بیس[۲۰] ہاتھ اس کا عرض تھا۔ اس بھٹہ میں ڈالے جانے سے پہلے اللہ تعالٰے کے کئی فرشتے آئے۔ جو اللہ تعالٰے کے خزانوں پر مؤکل ہیں۔ اور انہوں نے اپنی خدمات پیش کیں مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کسی کی خدمت قبول نہیں فرمائی۔ مثلاً ہوا کا فرشتہ آیا۔ کہ اگر آپ فرمائیں۔ تو میں آپ کی مدد کر دوں۔ اور ہوا کو حکم دوں۔ کہ اس آگ کو اڑا کر لے جائے۔ اور یہاں ایک چنگاری بھی باقی نہ رہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری کسی قسم کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر مینہ کا مؤکل فرشتہ آیا۔ کہ اگر میری خدمت کی ضرورت ہو۔ تو اس آگ پر مینہ لاکر برسا دوں۔ اور ایک چنگاری نہ رہنے دوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

بالآخر حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے عرض کی۔ کہ اگر میری خدمت کی ضرورت

ہو تو حاضر ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا
مجھے آپ کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ جبرائیل
علیہ السلام نے عرض کی۔ کہ اگر ہم سے کسی
قسم کی خدمت نہیں لیتے۔ تو کم از کم اللہ تعالے
سے دعا فرمائیے۔ کہ آپ کی اس مصیبت کو
دور فرمائے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :۔

یَکْفِیْنِیْ عن سوالی علمہ
بحالی :۔ (مجھے اس سے سوال کرنے کی
کیا ضرورت ہے۔ وہ میرے حال سے خود
واقف ہے۔)

بالآخر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ کے
بھٹہ میں ڈال دیا۔ اللہ تعالے نے فرمایا۔ یَانَارُ
کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ ۝
(اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جا)
یہ الگ چیز ہے۔ کہ اللہ تعالے نے ابراہیم
علیہ السلام کو آگ سے صحیح و سلامت بچا لیا۔
مگر انہوں نے تو اپنی توحید پرستی کے جرم میں اپنے
آپ کو آگ میں ڈلوا دیا۔ اپنے سچے مذہب اسلام
پر قربان ہونے کا یہ وہ امتحان ہے۔ جو آج چار ہزار برس

تک دنیا کو یاد رہے۔ اور رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔

دوسرا امتحان "ہجرت"

اللہ تعالےٰ کا قانون یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب کبھی کوئی پیغمبر کسی قوم میں آیا۔ اور اُس پیغمبر نے احکامِ الٰہی کی تبلیغ فرمائی۔ اور اُس اُمت نے بجائے تسلیم کرنے کے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے انکار کیا۔ تو اُن پر یکایک عذاب نہیں آیا۔ اُن لوگوں نے پیغمبروں کو اگرچہ طرح طرح سے ستایا۔ انہیں کئی قسم کے دُکھ دیئے۔ مگر پیغمبروں نے اُف تک نہ کی۔ اور مسلسل اپنا تبلیغی فرض انجام دیتے رہے۔ بالآخر جب انبیا علیہم السلام کا پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا۔ اور باطل پرستوں کے دل ناقابلِ اصلاح ہو جاتے۔ تو اپنی اسلام دشمنی میں وہ اس حد تک تنزل کر جاتے۔ کہ انبیا علیہم السلام کو موت کے گھاٹ اُتارنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اس وقت قانونِ الٰہی کی دو صورتیں نظر آتی ہیں۔ بعض اوقات چھوٹے درجے کے انبیا علیہم السلام کو امتوں نے قتل بھی کیا۔ البتہ بڑے پایہ کے انبیا علیہم السلام کو اللہ تعالےٰ قتل ہونے سے بچا لیتے تھے۔ اور انہیں اس کفرستان سے ہجرت کا حکم دے دیتے تھے۔ لیکن پیغمبر کی ہجرت کے بعد اس امت پر عذاب نازل ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ

بڑے پایہ کے پیغمبر ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے انہیں کفار کے ہاتھوں مرنے سے بچا کر ہجرت کرا دی۔ حضرت ابراہیمؑ عراق عرب میں پیدا ہوئے۔ شاہ بابل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ بابل کے دفن شدہ کھنڈرات آج بھی اپنی عظمت کی تباہی پر مرثیہ خواں ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق سورۂ صٰفٰت کے رکوع ۳ میں ارشاد ہے، ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا، کہ تم کیا پوجتے ہو۔ کیا اللہ کے سوا جھوٹے بنائے ہوئے خداؤں کو پوجتے ہو۔ پھر رب العالمین کے متعلق کیا خیال کرتے ہو۔ فرمایا کہ تم ان بتوں کو پوجتے ہو۔ جنہیں خود تراشتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا ہے، اور وہ جو تم بناتے ہو۔ اُسے بھی۔ ساری قوم نے کہا (چونکہ ابراہیمؑ نے ہمارے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ اس لئے اس کے واسطے ایک عمارت بناؤ۔ پھر اسے آگ کے ڈھیر میں ڈال دو۔ اُن لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے لئے تدبیر سوچی پھر ہم نے اُنہیں نیچا دیکھنے والا کر دیا (یعنے اپنی تدبیر میں ناکام رہے) اور ابراہیمؑ نے فرمایا۔ میں اب اس ملک سے اپنے رب کے لئے ہجرت کرنے والا ہوں۔ وہ میری راہنمائی کرے گا۔ (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شام کی طرف جانے کی راہنمائی

فرمائی)

ابراہیم علیہ السلام کا یہ دوسرا امتحان ہے کہ اپنے باپ اور ساری برادری اور اپنے وطنِ مالوف کو اسلام کی حفاظت کی خاطر خیرباد کہا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسلام کا ایسا ہی فدائی بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

تیسرا امتحان بچے اور بیوی کو بیابان میں چھوڑنا

اللہ تعالےٰ نے انسان کے دل میں بیوی اور بچوں کے ساتھ ایک طبعی اُنس اور محبت رکھی ہے۔ انسان خود تکلیف اُٹھاتا ہے۔ مگر حتی الوسع بیوی بچوں کو آرام پہنچاتا ہے۔ اور بعض اوقات انسان بیوی و بچوں کی رضا طلبی کی خاطر خدا تعالےٰ کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے (تغابن رکوع ۲ میں) اے مسلمانو! تمہاری بعض بیویاں اور اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ سو اُن سے بچتے رہو۔

حضرات! انبیاء علیہم السلام بھی فطرتی جذبات سے خالی نہیں ہوتے۔ لہٰذا انہیں بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ وہی محبت اور اُنس ہوتا ہے۔ البتہ اللہ تعالےٰ کے حکم کے مقابلہ میں وہ کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اُنکے شیرخوار بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو سرزمین بیت الحرام کے پاس بٹھاکر۔ واپس آنے کی اطلاع دیتے

بغیر چپ چاپ لوٹتے ہیں۔ اور حضرت ہاجرہ پیچھے آواز دیتی ہیں۔ تو کوئی جواب نہیں دیتے۔ بالآخر انہوں نے یہ آواز دی کہ کیا اللہ تعالےٰ کا آپ کو یہی حکم ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں اس پر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا۔ تب اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے انہیں سپرد خدا کرکے یہ فرماتے ہیں۔ رَبَّنَا اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ

ترجمہ:۔ اے میرے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں ٹھہرایا ہے۔ جہاں کوئی کاشت نہیں ہوتی۔ (البتہ تیرے عزت والے گھر کے قریب ہیں۔

حاصل کلام یہ نکلا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس تیسرے امتحان میں بھی کامیاب نکلے۔ اور اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں جسے اسلام کہتے ہیں۔ اس میں اپنے بیوی بچوں تک کی پرواہ نہیں کی۔ اللہ تعالےٰ ہمیں بھی ایسا ہی مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

چوتھا امتحان "بیٹے کا ذبح کرنا"

سورۂ صٰفٰت رکوع تین میں ہے:۔ ہم نے ابراہیمؑ کو متحمل مزاج بیٹے کی خوشخبری دی جب وہ بیٹا ابراہیمؑ کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا۔ تب ابراہیمؑ نے فرمایا۔ اے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتلاؤ تمہاری کیا رائے ہے بیٹے نے عرض کی۔ اے میرے باپ! جو کچھ آپ کو حکم ہوتا ہے۔ وہ بجا لائیے۔ آپ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ جب دونوں نے

حکم مان لیا۔ اور ماتھے کے بل اُسے ذبح کرنے کے لئے لٹا دیا۔ ہم نے اُسے پکارا۔ اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ بے شک ہم اسی طرح نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

حاصل یہ نکلا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کامیاب نکلے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی اولاد سے بڑھ کر اسلام کے حفظ و بقاء کے لئے خدمت کرنے کی توفیق دے۔ جس طرح ہم مذہب کے لحاظ سے ابراہیمؑ علیہ السلام کے دین کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا کرے۔ کہ اسلام کی امانت جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے بھی جان۔ مال۔ عزت۔ وطن اور اولاد تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

اگر مسلمان ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر اپنے اسلام کی حفاظت کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہر قربانی کے لئے سر بکف ہو جائیں۔ تو یقیناً اسلام دنیا کے ہر ہر گوشہ میں پہنچ سکتا ہے۔ اور اس کی تیز و تند شعائیں یقیناً کفر کی آنکھوں کو اندھا کر سکتی ہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

چودھواں خطبہ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد۔

قال اللہ تعالیٰ۔ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ

اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ پ ۳ - سورۃ آلِ عمران - رکوع ۱۰

ترجمہ :- اگر وہ تم سے جھگڑا کریں - تو اُن سے کہہ دو - میں نے اپنا منہ (اپنے آپ کو) اللہ کے سپرد کر دیا ہے - اور اُن لوگوں نے بھی جو میرے تابعدار ہیں - اہل کتاب اور مشرکوں سے کہہ دو - کیا تم بھی اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتے ہو - پس اگر وہ بھی (اپنے آپ کو) سپرد کر دیں - تو سب ہدایت پا گئے - اور اگر مُنہ موڑ لیں - تو تیرے ذمہ فقط ہمارا حکم پہنچانا ہے - اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے -

میرے معزز بھائیو! اور میری بہنو! اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں - کہ میری زبان سے وہ کہلائے - جو وہ آپ سے کہنا چاہتا ہے - اور جو کہلائے وہ آپ کو لوح دل پر لکھ کر ساتھ لے جانے - اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے - تاکہ آپ کی نجات ہو جائے - اور آپ کی برکت سے میری بھی نجات ہو جائے -

میرے معزز بھائیو! آج سے ۱۳۵۹ سال پہلے اللہ تعالےٰ نے میرے اور آپ کے متعلق سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعلمین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک شہادت دلوائی تھی - اور وہ شہادت الٰہی آیت میں موجود ہے - جس کی تلاوت میں نے آپ کے سامنے کی ہے - اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کی طرف سے اعلان فرمایا ہے - کہ میری اُمت اپنے آپ کو سپردِ خدا کر چکی ہے - اور اسی سپردِ خدا

کرنے کا نام اسلام ہے۔ اس شہادت کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت اپنے اقوال و افعال۔ اپنی سیرت و صورت۔ اپنی نقل و حرکت۔ اپنی ہر جلوت و خلوت۔ اپنی ہر نشست و برخاست اپنی ہر رسم رواج کو تابع فرمان الٰہی بنا چکی ہے۔ چنانچہ امت بلا واسطہ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر تو یہ شہادت بفضلہ تعالےٰ حرف بحرف صحیح اُتری۔ اب ہم لوگ جب حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت کہلاتے ہیں۔ تو ہمارا بھی فرض ہے۔ کہ اپنے اُمتی ہونے کے دعویٰ کی تصدیق میں اپنے ہر عمل حیاۃ کو تابع فرمان الٰہی بنائیں۔ تب آپ کی اُمت کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ورنہ رسمی طور پر اُمت کہلانے سے کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکے گا۔

سپرد خدا کرنے والوں کا نمونہ

سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت میں جو صیغہ اپنے اور اپنی امت کی طرف سے اَسْلَمْتُ کا استعمال فرمایا ہے۔ بعینہٖ وہی صیغہ ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ (اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔) سورۃ بقرہ رکوع ۱۶

ترجمہ:۔ جب اللہ تعالےٰ نے ابراہیم سے فرمایا۔ اَسْلِمْ (تو میرا فرمانبردار ہو جا) تو ابراہیم نے کہا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ میں نے اپنے آپ کو

رب العالمین کے سپرد کر دیا۔

پھر آپ کو معلوم ہے، کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چند امتحان لئے۔ پہلا امتحان یہ تھا۔ کہ توحید پرستی کے جرم میں اس وقت کے بادشاہ نے جو خود اپنی خدائی کا دعویدار تھا۔ انہیں آگ میں ڈالا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں پڑنا منظور فرمایا۔ مگر توحید کا دامن چھوٹنے نہیں پائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے آپ کو قربان کر ہی دیا تھا۔ یہ الگ چیز ہے۔ کہ جب آگ میں ڈالے گئے، تو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس نار کو گلزار بنا دیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام صحیح وسلامت آگ سے نکل آئے۔ دوسرا امتحان یہ ہوا۔ کہ اسی توحید پرستی اور اپنے آپ کو سپرد خدا کرنے کے باعث انہیں اپنا گھر بار چھوڑنا پڑا۔ اور محض اس اللہ تعالیٰ کے تعلق کو محفوظ رکھنے کی خاطر اپنے وطن کو بھی قربان کر دیا۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں، کہ وطن کسقدر عزیز چیز ہے، عربی میں ایک مقولہ ہے۔ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ ایمان فعل قلب ہے یعنی وطن کی محبت دل کے رگ و ریشہ میں سرایت لئے ہوئے ہوتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔

تیسرا امتحان یہ ہوا۔ کہ اپنے شیر خوار بچے اور عفت مآب اور عصمت پناہ بیوی کو ایک ایسے بیابان میں چھوڑ کر دین الٰہی کی تبلیغ واشاعت کے لئے چلے جاتے ہیں، جہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ اور انسان کی ضروریات خورد و نوش کے اسباب کا وہاں نام ونشان بھی نہیں یعنے موجودہ بیت اللہ الحرام کے پاس بٹھا جاتے ہیں۔ اسوقت بیت اللہ الحرام تعمیر شدہ نہیں تھا۔ اگرچہ تجلیات الٰہیہ کی موسلا دھار بارش اُس وقت بھی مسلسل ہو رہی تھی۔

جس کا مشاہدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے نورِ نبوت سے فرما رہے تھے۔ فرماتے ہیں
رَبَّنَا اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ۔
ترجمہ۔ اے اللہ! میں اپنی اولاد تیرے عزت والے گھر کے پاس ٹھہرا کر جا رہا ہوں
جس وادی میں کوئی باڑی نہیں ہوتی ۔ جب وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت
ہاجرہ علیہا السلام کو مع اپنے شیر خوار بچے کے وہاں بٹھا کر جا رہے ہیں۔ تو
کچھ نہیں فرما گئے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام ان کے پیچھے گئیں۔ بلاتی ہیں۔
مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کوئی جواب نہیں دیتے۔ بالآخر فرماتی ہیں۔
کیا اللہ تعالےٰ کا آپ کو یہی حکم ہے۔ تب فرماتے ہیں۔ ہاں۔ حضرت ہاجرہ علیہا
السلام ان کے اس جواب پر فرماتی ہیں۔ "اِذًا لَّا یُضَیِّعُنَا" ترجمہ۔ تو پھر
اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

میرے معزز بھائیو، اور بہنو! آپ خود اندازہ لگائیں۔ کہ یہ کام کتنا مشکل ہے۔ کہ
ایک بے آب و گیاہ بیابان جس میں نہ کوئی مونس و غمگسار ہے۔ وہاں خدا کے حکم سے
چھوڑ کر چلے جانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسلام کا تیسرا امتحان تھا۔ بفضلہ تعالےٰ
اس میں بھی پورے کامیاب نکلے۔ چوتھا امتحان یہ لیا گیا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی
سال کی عمر میں ایک بیٹا عطا ہوتا ہے جس کا نام نامی اسم گرامی اسمٰعیل علیہ السلام ہے۔ آپ
اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ ایک بوڑھا آدمی جس کی ساری عمر اولاد کی تمنا میں گذری ہو۔
اور اسی سالہ عمر پانے کے بعد اسے ایک بیٹا عطا ہوا ہو۔ تو وہ بیٹا اپنے بوڑھے باپ
کو کتنا عزیز اور پیارا ہوگا۔ جب وہ بیٹا باپ کے ساتھ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچتا
ہے۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب دیکھتے ہیں۔ کہ اس بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں

جب بیٹے سے اپنا خواب بیان فرماتے ہیں۔ تو صاحبزادہ صاحب جواب دیتے ہیں۔ (یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ) ترجمہ اے میرے باپ جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اسے پورا کر دیجئے۔ مجھے انشاء اللہ آپ صبر کرنے والوں میں پائینگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو اس فیصلہ کے بعد مکہ معظمہ سے مشرق کی جانب تین میل کے فاصلہ پر منیٰ میں لے جاتے ہیں۔ وہاں جا کر بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے لٹا دیتے ہیں۔ تب بارگاہ الٰہی سے آواز آتی ہے۔ کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور ان کے عوض ایک مینڈھا ذبح کرنے کے لئے عطا فرمایا۔ بفضلہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔

ان چاروں امتحانوں میں کامیاب ہونے کے بعد اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ساری دنیا کی امامت کا عہدۂ جلیلہ عطا فرمایا۔ قرآن شریف میں ہے۔ کہ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ الآیۃ سورۃ بقرہ رکوع ۱۵ ترجمہ: جب ابراہیم کے رب نے اس کا چند چیزوں میں امتحان لیا اور ابراہیم (علیہ السلام) نے انہیں پورا کر دکھایا۔ تو اللہ نے فرمایا۔ میں تمہیں لوگوں کے لئے امام (نمونہ) بنانے والا ہوں۔ یعنی جو شخص اسلام کا دعویٰ کرے وہ تم جیسی قربانیاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں کرنے کے لئے تیار ہو کر آئے۔ تب اسے بارگاہ الٰہی میں مقبول سمجھا جائے۔

میرے معزز بھائیو اور بہنو! جب ہم ابراہیم علیہ السلام والے اسلام کے دعویدار ہیں۔ تو سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے حق میں اسلام

کی شہادت دی ہے، تو دعا کیجئے، کہ ہمیں بھی امتحان کے وقت کامیاب ہونے کی توفیق عطا فرما دے۔ جان مال، اولاد، وطن قربان کر کے بھی رضا الٰہی کا تمغہ حاصل کر لیا۔ تو یہ سودا گراں نہیں، بلکہ ارزاں ہوگا۔ اگر ہم کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ شامل حال ہو گی۔ ان کا اعلان ہے، کہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ ترجمہ جو لوگ ہمارے قریب آنیکی کوشش کریں گے ہم انہیں ضرور اپنے راستوں کی راہنمائی فرمائیں گے۔ اصلی سچا، کھرا مقبول اور جنت میں پہنچانے والا فقط اسی معنی کا اسلام ہے۔

مالی کمزوری کے باعث دین کو خطرہ

میرے معزز بھائیو اور بہنو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر اور آپ کی صحبت کی یہ تاثیر تھی، کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم پیٹ پر پتھر باندھ کر بھی دین کی خدمت بجالاتے تھے اور ان کے پائے استقلال میں ذرا لغزش نہیں آتی تھی موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں وہ ہمت وہ عزم بالجزم اور وہ استقلال ہرگز نہیں ہے۔ ایک صحابی اپنے شاگردوں سے اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں، کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ میں روانہ فرمایا، سامان رسد کی کمی کے باعث فی کس دو کھجوریں یومیہ ملتی تھیں جب اس سے زیادہ سامان رسد میں قلت ہو گئی۔ تو فی کس ایک ایک کھجور ملنے لگی، شاگرد عرض کرتا ہے، کہ ایک کھجور سے کیا ہوتا ہوگا۔ فرمانے لگے کہ جب ایک کھجور بھی ملنے سے رہ گئی، تب ہم نے سمجھا، کہ ایک کھجور بھی کوئی چیز تھی میرے معزز بھائیو، یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت تھی کہ اس قدر وہ ایمان کے مضبوط اور اسلام میں پختہ کار تھے، کہ جان جائے لیکن ایمان میں خلل نہ آئے ہم ایسے کمزور ایمان والوں کے لئے تو اس امر کی ضرورت ہے، کہ پیٹ بھر کر کھانا کھائیں۔ اس کے بعد نفس کو فرمائیں کہ جب خدا تعالیٰ نے تمہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا ہے

اس کے سامنے سر جھکا، اس کا شکریہ بجالا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ کا اظہار فرمایا۔ کہ کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا :- ترجمہ۔ قریب ہے کہ تنگدستی کفر تک جا پہنچائے۔ لہٰذا اس امر کی اشد ضرورت ہے۔ کہ مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست کی جائے۔ تاکہ یہ اپنا دین بچا سکیں۔

مسلمانوں کی ناداری کے اسباب

مسلمانوں کی ناداری کا سب سے بڑا سبب (پہلا سبب) فضول خرچی ہے۔ یہ اپنے باپ دادا کی رسموں کی یاد تازہ کرنے کے لئے شادی اور غمی میں روپیہ اپنی طاقت سے بڑھ کر دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ بعد میں خواہ ذلیل ہوں۔ بیکار ہو جائیں۔ جائدادیں قرق ہو کر کاسۂ گدائی ہاتھ میں لے کر بھیک مانگنی پڑے لیکن ایکدفعہ تو گھر کو آگ لگا کر دنیا کو تماشا دکھا دیتے ہیں۔ حالانکہ شادی اور غمی کی اکثر رسمیں ہندوانہ ہیں۔ جو آباؤ اجداد سے ہم میں چلی آتی ہیں۔ اسلام کو ان سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی شادی اور غمی کی رسموں کے مصارف کا مندرجہ ذیل اندازہ ایک سال کا ملاحظہ فرمائیں۔

مصارف ولادت	۸ کروڑ	سالانہ
مصارف ختنہ	۲ کروڑ	سالانہ
مصارف شادی	۶ کروڑ	سالانہ
مصارف موت	۱۰ کروڑ	سالانہ
مصارف مختلف رسوم	۲ کروڑ	سالانہ
میزان کل	۲۸ کروڑ	سالانہ

منقول از حمایت اسلام لاہور

آمد و خرچ کا موازنہ

جس ملک کی فی کس اوسط آمدنی روزانہ ڈیڑھ آنہ ہو۔ اس ملک کی ایک مفلس اور نادار قوم اپنی من گھڑت اور فضول رسموں میں ۸۰ کروڑ روپیہ سالانہ برباد کردے۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ کس طرح سرسبز و شاداب ہو سکتی ہے۔ اور وہ دوسری زندہ قوموں کے ساتھ کس طرح دوش بدوش چل سکتی ہے۔

دوسرا سبب

مسلمانوں کی ناداری کا دوسرا سبب تعلیم جدید کی محبت ہے۔ ہر ادنیٰ و اعلیٰ۔ ہر امیر و غریب یہ چاہتا ہے کہ میرا بیٹا تعلیم جدید سے آراستہ ہو جائے۔ اس کے بعد ملازمت کرے۔ خوب روپیہ کمائے۔ اور عزت سے بیٹھکر کھائے۔ ملازمت سرکاری ہی اس کا ذریعہ معاش ہو اور قلم ہی اس کا آلہ کار ہو۔ تاکہ میرے بیٹے کو سایہ میں بیٹھے بٹھائے رزق میسر آئے اور کوئی محنت اور مشقت کا کام نہ کرنا پڑے۔ اس ہوس میں مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم دلانے میں ہزارہا روپیہ خرچ کر دیتا ہے جب تعلیم حاصل کر کے سرکار کے دروازہ پر ملازمت کیلئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو وہاں سے انکار سنایا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ جس غرض کیلئے ہزارہا روپیہ برباد کیا تھا۔ وہ مطلب بھی پورا نہ ہوا۔ اور سرمایہ بھی برباد ہو گیا۔ پھر تو یہ ضرب المثل صادق آتی ہے

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

تعلیمیافتہ طبقہ کی بیکاری

لاہور اکونٹنٹ جنرل کے دفتر میں ایک دفعہ ۳۰ فرسٹ ڈویژن انٹرنس پاس مطلوب تھے۔ اور درخواستیں ۳۲۹ آئیں جن میں سے

ایل ایل۔ بی	۱	۱

۲	۱۰۰	بی۔اے
۳	۹۰	ایف۔اے
۴	۱۳۸	انٹرنس پاس تھے۔

دہلی اکونٹنٹ جنرل کے دفتر میں ایک دفعہ ۲۰ آدمیوں کی ضرورت تھی اور ۵۰۰ درخواستیں آئیں۔ ایک دفعہ لاہور میں ریلوے والوں کو ۱۰ آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اور ۱۵۰۰ درخواستیں آئیں جن میں زیادہ تر بی۔اے۔ تھے۔

نتیجہ

یہ نکلتا ہے۔ کہ باپ اپنے گاڑھے۔ پسینے کی کمائی اولاد پر صرف کر کے مفلس ہو جاتا ہے۔ اور بچے تعلیم پانے کے بعد بیکار پھرتے ہیں گویا اس تعلیم جدید کی بدولت باپ بیٹا دونوں محتاج ہو جاتے ہیں۔

تعلیم جدید سے افلاس کی شہادت پر ایک نظم

جناب ابوالاثر خان صاحب حفیظ جالندھری کی نظم کے چند اشعار جو انہوں نے انجمن حمایت اسلام کے اکیانویں سالانہ جلاس پر پڑھے تھے۔ بطور شہادت پیش کرتا ہوں۔

ہو چکا اب تک جو فرزندان ملت کیلئے
وہ بہت کافی ہے اس ملت کی ذلت کیلئے

کر دیا لڑکوں کو تم نے مستفید روشن خیال
دیدۂ افلاس کی زینت ہے اب ان کا جمال

تھی یہی اک راہ اس روشن خیالی کے لئے
بند ہے اب چاکری مسلم سوالی کیلئے

تم نے جن آقاؤں کا ان کو بنایا تھا غلام
اب وہ آقا بھی نہیں لیتے غلاموں کا سلام

کیا یہی تعلیم دو گے دختران قوم کو
کیا اسی الجھن میں الجھاؤ گے جان قوم کو

کیا کوئی صورت نہیں ہے رخ بدلنے کے لئے
کیا کوئی رستہ نہیں ہے بچ نکلنے کے لئے

کیا خدا کے فضل سے بھی ہو چکے ہو نا امید
کیا پیمبر سے بھی اب ملتی نہیں تم کو نوید

دوستو اللہ کا پیغام زندہ ہے ابھی
مر رہے ہو تم مگر اسلام زندہ ہے ابھی

بادۂ تعلیم مغرب سے جو ہوتے ہو خراب
کیا تمہیں مسرور کر سکتی نہیں ام الکتاب

تجربہ کر کے تو دیکھو کوثر تسنیم کا
آزمودہ ہے یہ نسخہ دین کی تعلیم کا

آخر اس تعلیم سے پرہیز کیوں کرتے ہو تم
کون مانع ہے تمہیں کس بات سے ڈرتے ہو تم

نیک مشورہ

یہ صحیح ہے کہ بچوں کو تعلیم ضروری دینی چاہیئے، مگر جو طریقۂ تعلیم موجودہ سکولوں اور کالجوں میں رائج ہے۔ وہ بربادکن اور تباہی خیز ہے۔ میں اپنا خیال مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، اگر میرے مشورہ پر عمل کریں۔ تو بچے تعلیمیافتہ بھی ہو جائینگے، اور اس تباہی سے بھی بچ جائینگے۔ علاوہ اس کے دنیا کا ساتھ بھی سنور جائے گا۔ وہ یہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں دو قسم کے آدمی ہیں۔ ایک ۱ سرمایہ دار (سرمایہ خواہ نقد کی صورت میں ہو یا زرعی زمین کے بہت بڑے رقبے کے مالک ہوں یا جائداد بصورت مکانات ہو) دوسرے ۲ غیر سرمایہ دار جو کہ اپنے کسب ہی سے معاش حاصل کر کے گذر اوقات کرتے ہیں پہلی قسم کے مسلمان بیشک اپنے بچوں کو تعلیم جدید دلائیں، تاکہ غیر مسلم اقوام کے مقابلہ میں حکومت کے کل پرزہ بننے کے لئے ان میں سے آدمی انتخاب کئے جائیں، تاکہ مسلمان انتخاب (الیکشن) کے وقت بیرسٹر کے مقابلہ میں بیرسٹر، پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقابلہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی ایل۔ ایل۔ بی کے مقابلہ ایل۔ ایل۔ بی، ایم۔ اے کے مقابلہ میں ایم۔ اے پیش کر سکیں تاکہ شطرنج سیاست پر کھیلنے والے مسلمان کھلاڑی کے پاس وہ تمام مہرے ہوں جو ایک غیر مسلم کھلاڑی کے پاس پائے جائیں۔ اس سرمایہ دار طبقہ کے بچے تعلیم پانے کے بعد اگر بیکار بھی رہیں گے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ سرمایہ داری کے باعث بیکار بیٹھے بھی

گذر اوقات کر سکتے ہیں۔

البتہ

اس سرمایہ دار جماعت کے بچوں کی تعلیم میں مذہبی تعلیم کا لازمی ہونا ضروری ہے۔ مذہبی تعلیم کے لازمی ہونے سے میری یہ مراد نہیں ہے کہ کالجوں میں مذہبی تعلیم پائیں نہیں، بلکہ والدین انہیں ابتدائی زمانہ تعلیم ہی سے مذہب کی تعلیم ساتھ ساتھ دلائیں، مذہبی تعلیم کے لئے بھی دنیاوی تعلیم کی طرح قابل او مستند استاد تلاش کئے جائیں۔ فقط تعلیم میں قابل ہونا کافی نہیں ہے۔ بلکہ جن کے اندر عملی طور پر پابندی مذہب کا ذوق پایا جائے۔ صلاحیت، سعادت، شرافت، حیا اور ایمانداری کے آثار ان میں نظر آئیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایسے باعمل علماء کرام کی صحبت میں تربیت پاکر بچے مسلمان ہونگے۔ اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیرخواہ ہونگے وہ عزت کی کسی بلندی پر پہنچکر بھی اسلام کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے جسطرح اسلام کی تعلیم سے بے بہرہ مسلمان دنیاوی عزت و وجاہت کی خاطر اسلام فروش اور مسلم کش ہو جاتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مذکور الصدر طریقہ کے تعلیمیافتہ نوجوان اسلام کو نہیں بیچینگے بلکہ ساری دنیا کی عزتوں اور خزانوں کو ہاتھ سے دیکر اسلام کا بچانا اپنا فرض منصبی خیال کریں گے۔

دوسری قسم یعنی غیر سرمایہ دار مسلمان کو اس تباہی خیز اور کمر توڑ گراں قیمت تعلیم جدید سے بچنے کی اشد ضرورت ہے ان کے بچوں کو اردو نوشت و خواند، تاریخ، جغرافیہ اور ریاضی کی بقدر ضرورت تعلیم دیجائے تاکہ دنیاوی کاروبار میں انہیں دقت پیش نہ آئے۔ اس کے علاوہ مذہبی تعلیم بھی اتنی دیجائے جس سے وہ توحید و شرک ایمان و کفر، سنت و بدعت میں آسانی تمیز کر سکیں تاکہ وہ صحیح طور پر اسلام کو سمجھ سکیں اور کسی ملحد یا زندیق یا بدعتی کے پنجہ میں پھنسنے نہ پائیں۔ روٹی کما کر کھائیں۔ اور دنیا سے ایمان بچا کر لیجائیں۔

اس قسم کی تعلیم دینے کے بعد بچوں کو کسی کاروباری زندگی میں داخل کر دیا جائے۔ انہیں تجارت سکھائیں یا صنعت و حرفت سکھائیں [illegible] سکیں تاکہ وہ جوان ہونیکے بعد سچے مسلمان بھی ہوں اور روٹی بھی کما کر کھائیں۔ فقط